جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

ستمبر / اکتوبر ۲۰۱۸ء جلد نمبر ۱۹، شمارہ نمبر ۱۲، ۱۱ سلسلہ ۱۸۶

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:

فی شمارہ -/15 سالانہ -/150

خصوصی -/1000

تاحیات -/10000

بیرون ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

ورق در ورق

صریرخامہ

قند مکرر

مقالات و مضامین

صریر خامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصریات

❖سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

یا اسفی! کیا یہی سب دیکھنا اور سننا ہمارے مقدر میں رہ گیا ہے؟ وہ باتیں جو فطرت کے نزدیک کبھی قابلِ قبول نہیں رہیں، اب انہیں بھی جواز کی راہیں فراہم کی جائیں گی؟ اخلاقی دیوالیہ پن کے شکار معاشرے کو راہِ راست پر لانے کے بجائے اسے مزید بگاڑا جائے گا؟ اسلام سے وابستہ مذہبی طبقہ ہو یا غیر اسلام سے متعلق دھارمک طبقہ، سب اسی دن کے لئے جی رہے ہیں؟ اگر نہیں، تو پھر یہ کیا ہے؟ جرائم کی اجازت، وہ بھی عدالت سے؟ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ نفس پرستی میں آخر اس درجہ کیوں گرتے جارہے ہیں؟

جس شخص کو بھی اللہ نے طبعِ سلیم سے نوازا ہو وہ بے تکلف کہے گا کہ ''ہم جنس پرستی'' جرم ہے۔ یہ عمل قانونِ شریعت کے بھی خلاف ہے اور قانونِ فطرت کے بھی۔ لیکن بڑے مناصب پر جلوہ نشیں اسے کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ سند جواز دے رہے ہیں۔

رواں ماہ کی ۶/ تاریخ کو ملک کی عدالت عظمیٰ نے عجیب وغریب فیصلہ سنایا۔ وہ یہ کہ مرد مرد سے اور عورت عورت سے جنسی تسکین کرسکتی ہیں۔ ملک کے آئین میں ۱۵۸/ برسوں سے دفعہ ۳۷۷ موجود رہی ہے۔ اس دفعہ کی روشنی میں اس طرح جنسی تسکین جرائم کے زمرے میں آتی تھی، مگر اب عدالت نے آزادی کا عنوان دے کر اسے جرم کے زمرے سے نکال دیا ہے۔ بچوں اور جانوروں کے ساتھ اس قسم کی بدفعلیاں عدالت کی نظر میں اب بھی جرم رہیں گی۔

دنیا بھی کتنی مختلف الالوان ہے! بجائے اس کے کہ اس فیصلے کو چیلنج کیا جاتا، لوگ دو خیموں میں بٹ گئے۔ ایک طبقہ اس پر شرمسار ہونے کے بجائے خوشیاں منا رہا ہے، جب کہ ملک کی اکثریت اس پر حیران و ششدر۔ افسوس تو اس کا ہے کہ اس غیر فطری فیصلے کی اقوام متحدہ نے بھی تائید کردی۔ بظاہر غیر سیاسی مگر سیاست میں سب سے زیادہ مؤثر تنظیم آر ایس ایس کی نگاہ میں یہ عمل خلافِ فطرت سہی، تاہم فیصلہ قابل قبول ہے۔ اس غیر فطری حکم نامے سے ہر وہ شخص حیران ہے، جس میں انسانیت کی رمق تھوڑی بہت بھی رہ

گئی ہے۔ یہ حکم نامہ دین حق اور دیگر ادیان سے متصادم تو ہے ہی، خود ہندوستانی تہذیب وثقافت، اس کی تاریخ اور روایات اور اس کے مزاج و مذاق سے بھی میل نہیں کھاتے۔

مرد مرد کے ساتھ جنسی تسکین کرے تو اس کا نام سدومیت ہے، یہ بیماری عظیم پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں پائی جاتی تھی۔ سدوم ملک شام کا ایک علاقہ تھا جہاں کے شہری مردوں کے ساتھ یہ قبیح حرکتیں کیا کرتے۔ ان کی طبعی سلامت اس درجہ مسخ ہو چکی تھی کہ وقت کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی ایک نہ چلی۔ ان کی اصلاح کے لئے افہام وتفہیم کے تمام طریقے اپنا لئے مگر نتیجہ صفر نکلا۔ یہ بدنہاد نصیحت قبول تو کیا کرتے، الٹا ان پر پھبتیاں کسیں، سخت اور جارحانہ تبصرے کئے، انہیں شہر بدر کرنے کی دھمکی بھی دی، انجام کیا ہوا، ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور پھر شہر ہی زیروزبر کردیا گیا۔ قرآن کریم کہتا ہے: **فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْل**. سدوم آج تک کھنڈر بنا ہوا ہے۔

فاطر ہستی نے کائنات کو بسانے اور قیامت تک اسے باقی رکھنے کے لئے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی پیدا کیا اور ایک دوسرے کو مخصوص طریقے سے مربوط کردیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ انسانی دنیا ایک عرصۂ دراز تک اسی طرح چلتی رہی۔ مردوں کے ساتھ مردوں کی تسکین قوم لوط سے پہلے دنیا میں پائی نہیں گئی۔ یہ سدومیت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدترین ایجاد ہے۔ بعد کے ادوار میں زنا کا بھی صدور ہوا۔ زنا انتہائی بری شئے ہے، اس سے نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ یورپ کا خاندانی نظام اسی لئے تباہ ہوا کہ زناکاری اس کے یہاں ضرورت کی تکمیل بن گئی۔ اسلام کے علاوہ ادیانِ باطلہ نے بھی زنا کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا تاہم اس کا شیوع اور فروغ اس درجہ ہے کہ سارے قوانین اسے روک نہیں سکے اور دن بدن اضافے ہیں۔ انسانی معاشرہ پہلے ہی تباہ کن اعمال میں مبتلا تھا،۔ چوری، غنڈہ گردی، زناکاری اور فحاشی سے ہمارا سماج پہلے ہی متعفن تھا، اب آزادئ حقوق اور خواہش نفس کی رعایت میں ہم جنس پرستی کا نیا دروازہ بھی کھول دیا گیا۔ مرد کے ساتھ مرد کی تسکین تو ماضی میں پائی جاتی رہی ہے مگر عورت کے ساتھ عورت کی تسکین پچھلی قوموں میں کبھی نہیں پائی گئی، یہ تو کریلا اور نیم چڑھا ہو گیا۔ لاریب کہ یہ فیصلہ غیر فطری اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے والا ہے۔ عدالت عظمیٰ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ دفعہ ۳۷۷ کو پھر سے بحال کرے اور انسانی بحران کے اس نئے طوفان پر فوراً سے پیشتر قدغن لگائے۔

❁ .... ❁ .... ❁

عدالتی احکامات کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ ان پر عمل درآمد کرنا ہر شہری اپنا نصب العین سمجھتا ہے اور

ان کی مخالفت کو جرمِ عظیم۔ جائز اور ضروری احکامات پر سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے اگر انہیں آنکھیں دکھائی جائیں تو یہ عدالت کی توہین ہے اور توہینِ عدالت پر مواخذہ ناگزیر، لیکن کیا کیجئے، ملک کا ایک دریدہ دہن اور بد دماغ طبقہ توہین عدالت کا بار بار مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ عدالتی فرامین کو پس پشت ڈالتا اور ان کی حیثیت پر علانیہ سوال اٹھاتا ہے۔ یہ کوئی اور نہیں، سیاست سے وابستہ ناعاقبت اندیش لوگ ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو گائے کے تحفظ کے نام پر دہشت گردی کر رہے ہیں، بہانے بہانے سے حملہ کرتے اور جان تک لے لیتے ہیں۔ ان شدت پسندوں اور درندہ مزاجوں کے عمل کو ''ہجومی تشدد'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ ان کی ان کارروائیوں سے ملک کا ہر سنجیدہ فرد سہا ہوا ہے۔ اب تک درجنوں بے گناہ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ عدالت بار بار تنبیہ کر رہی ہے۔ قانون سازی کے لئے وزراء کی کمیٹی بھی بنادی گئی، مگر گائے کے نام نہاد محافظین ہیں کہ ان پر اثر ندارد۔ افسوس تو اس کا ہے کہ بعض اربابِ سیاست ان انسانیت بیزاروں کی پشت پناہی بھی کر رہے ہیں۔ اس سلسلے کی ضروری تفصیلات پچھلے شمارے میں گزر چکی ہیں۔

ان شورش پسندوں کو تو جانے دیجئے کہ وہ غیر ذمہ دار اور مناصب سے دور ہیں۔ مسئلہ تو یہ بھی ہے کہ اب حکومتی عہدوں پر بیٹھے افراد بھی عدلیہ کی سننا پسند نہیں کرتے۔ اس طرح کے مقدمات کی بار بار سماعت سے تنگ آکر سپریم کورٹ نے ۲۹/ریاستوں کو ہجومی تشدد کی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا تھا، یہ وہ ریاستیں ہیں جہاں ہجومی دہشت گردی کے واقعات رونما ہوئے، ان کی لاپرواہی دیکھئے کہ صرف ۱۱/نے ہی حکم کی تعمیل کی اور بقیہ نے ان سنی۔ کورٹ ان کی اس ان دیکھی پر سخت ناراض ہے۔ عدالت کی ناراضگی اس درجہ شدید ہے کہ اس نے آخری موقع یہ کہتے ہوئے دیا: ان ریاستوں نے اگر ایک ہفتے کے اندر رپورٹ پیش نہیں کی تو ان کے داخلہ سکریٹریوں کو عدالت میں بذات خود آنا ہوگا۔ بات بالکل درست ہے کہ جب حکومتیں ہی عدالتی فرامین پر توجہ نہیں دیں گی تو بگڑے ہوئے گئو رکشک کیوں کر سدھریں گے؟

❀ .... ❀ .... ❀

توہین عدالت کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو لگے ہاتھوں بابری مسجد قضیہ میں سیاست دانوں کی تازہ اشتعال انگیزیاں بھی پڑھتے چلئے۔ رام جنم بھومی ایودھیا ٹرسٹ کے صدر اور سابق ممبر پارلیمنٹ رام ولاس ویدانتی نے کہا ہے کہ اگر وزیر اعظم نریندر مودی اور اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ اسی طرح آگے بڑھتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ایودھیا میں مندر بننا شروع ہو جائے گا۔ ان کے بقول: شیعہ کمیونٹی نے لکھ کر دیا ہے کہ وہ مسجد لکھنؤ میں بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے ہم تیار ہیں۔ ویدانتی کی پیش گوئی کے مطابق لوک سبھا

انتخابات سے قبل تعمیر مندر شروع ہو جائے گی۔

ویدانتی تو خیر اب کسی سرکاری منصب پر نہیں، تاہم ان کی اشتعال انگیزی ان کی ذہنیت کو بتاتی ہے۔ سابق ایم پی ہی کیا، خود یو پی کے وزیر اعلیٰ نے بھی اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایودھیا میں رام مندر کی تعمیر ضروری ہوگی اور اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہئے۔ انہوں نے یہ عجیب وغریب دعویٰ بھی کر دیا ہے کہ رام مندر تعمیر کی تاریخ بھگوان رام ہی طے کریں گے۔

اقتدار کا نشہ کتنا زہریلا ہوتا ہے۔ یہ نشہ انسان کو اپنے آپ میں رہنے نہیں دیتا۔ ان سیاست دانوں کا بیان آپ نے پڑھا، یوگی حکومت کے کابینی وزیر کا بیان سنئے۔ یہ مکٹ بہاری ورما ہیں۔ یہ علانیہ کہہ رہے ہیں کہ سپریم کورٹ بھی ہمارا ہے اور ایگزیکیٹو بھی ہمارا۔ رام مندر تو بنے گا ہی۔ یہ ہے ان کے نزدیک عدالت کا احترام۔ عدالت عظمیٰ کے تئیں ایسی تبصرہ بازی بلا شبہ جمہوریت شکن اور صریح توہین عدالت ہے۔ ان کا یہ بیان عدلیہ کے وقار، اس کی خودمختاری اور آزادی پر کاری ضرب لگا رہا ہے۔ کانگریس نے اس بیان کی شدید مذمت کی ہے اور سپریم کورٹ سے کارروائی کا مطالبہ بھی۔ مگر نہ وزیر صاحب بیان پر نادم ہیں، نہ ان کی پارٹی عناں گیر، نہ ان کے خلاف کسی کارروائی کی خبر۔ کیا ملک اب عدلیہ کے ساتھ کھلواڑ سے ہی آگے بڑھے گا؟ اس کا جواب اربابِ سیاست ہی دے سکتے ہیں۔

❁ .... ❁ .... ❁

۲۰۱۹ء کے لوک سبھا انتخابات میں بہت زیادہ مہینے نہیں رہ گئے۔ پھر راجستھان، مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ کے اسمبلی انتخابات تو رواں سال کے دسمبر میں ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حکمراں محاذ اپنے شدت پسندانہ رویے میں تبدیلی لاتا، مگر وائے ناکامی! مسلم مخالف بیانات اور دل آزار باتوں سے اسے فرصت ملے تب تو! کبھی بابری مسجد کا قضیہ اٹھایا جاتا ہے تو کبھی طلاقِ ثلاثہ کا۔ کبھی آسام کی شہریت کا مسئلہ چھیڑا جاتا ہے تو کبھی ہندوتوا کی تبلیغ وتوسیع کے ناقابل قبول مظاہرے کا۔ حالاں کہ حکومت ناکامیوں کی دلدل میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ مہنگائی کے مسئلے سے عوام کی زندگی اجیرن ہے۔ روپیہ لگاتار گر رہا ہے، ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قیمت ۷۳ روپئے تک پہنچ گئی۔ یو پی اے کے دورِ حکومت میں روپے ایک ڈالر کے مقابلے میں ۶۰/ تک پہنچتا تو یہی بھاجپا چیختی اور چلاتی کہ روپے آئی سی یو میں چلے گئے۔ اب یہی زعفرانی ٹولہ ان کی اصلاح اور گرتی قدر کو اٹھانے کی طرف متوجہ نہیں۔ یہ انصاف کا کون سا پیمانہ ہے۔ پٹرول دیکھئے تو ۸۰/ روپئے فی لیٹر کے پار چلا گیا۔ اس قدر گرانی لیکن یہی حکمراں اصلاح کے بجائے

تاویلاتِ فاسدہ کے ذریعے اپنا الوسیدھا کررہے ہیں۔ یہ دونوں مسئلے تو تھے ہی نقاب کشا، اب رافیل طیارے کی سودے بازی بھی بھگوا حکومت کے لئے بلائے جان بن گئی ہے۔ رافیل نامی ان لڑاکا طیاروں کے لئے یو پی اے دورِ حکومت میں ۲۰۱۲ء میں فی طیارہ ۵۷۰ کروڑ روپئے ادا کئے گئے تھے، اب چھ سال بعد اسی طیارے کی خرید وفروخت میں فی طیارہ ۱۶۷۰ کروڑ روپئے کا صرفہ آرہا ہے۔ ایسا کیوں؟ طیارہ بھی ایک عدد نہیں، پورے چھتیس۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر حزب اختلاف نے حکومت کی ناک میں دم کررکھا ہے۔ حکومت کے پاس اس کا کوئی واضح جواب نہیں۔ کانگریس کی مانئے تو نئے رافیل سودے کا اہم مقصد وزیراعظم کے قریبی کارپوریٹ دوستوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ سپریم کورٹ کے سینئر وکیل پرشانت بھوشن کے بقول: یہ اتنا بڑا گھوٹالہ ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انل امبانی کو کمیشن کے طور پر ۲۱۰۰۰ / کروڑ روپئے ملے۔

یہ اور ان جیسے موضوعات نے حزب اختلاف کے ایک دوسرے کے قریب آنے کی راہ ہموار کی ہے۔ رواں ماہ کی ۱۰ / تاریخ کو انہیں موضوعات پر ''ہندوستان بند'' رہا اور نہایت کامیاب۔ جس میں کانگریس کی قیادت میں ۲۱ / پارٹیوں نے حصہ لیا۔

غور طلب ہے کہ بی جے پی بدعنوانی کے خلاف اور ترقی کے عنوان پر ووٹ لینے آئی تھی، آج اسی کا دامن بدعنوانیوں میں ملوث ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ عوام میں اختلافات اور فرقہ واریت بڑھ چکی ہے۔ ترقی کون سی چڑیا ہے، اسے ہندوستانی شہری اس حکومت میں دیکھ نہیں سکے۔

بایں ہمہ زعفرانی محاذ خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ۲۰۱۹ء کا الیکشن بھی وہی جیتے گا، اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کہ اگر یہ انتخابات جیت گئی تو اگلے پچاس برسوں تک اسے کوئی ہلا نہیں سکتا۔

جمہوری ملک میں بادشاہ گر عوام ہوتے ہیں۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ حکومت کی خوش فہمی بجا ہے یا دیوانے کا خواب، مگر اپنے دورِ حکومت میں اس نے شہریوں کو تقسیم کرنے کے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، یہ اس کی فکری بیماری پر دلائل بن کر رہیں گے۔ حکومت دوبارہ اسے ملے یا نہ ملے۔

❁ .... ❁ .... ❁

(قسط:۱۰)

قند مکرر

ذٰلِكَ الْكِتاب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہٗ

واللّٰہ اصلہ الٰہ فحذفت الھمزۃ و عوض عنھا الالف واللام ولذالك قیل یااللّٰہ بالقطع الا انہ مختص بالمعبود بالحق والالٰہ فی الاصل یقع علی کل معبود ثم غلب علی المعبود بحق واشتقاقہ من الہ الٰھۃً والوھۃً والوھیۃً بمعنی عبد و منہ تألہ واستألہ و قیل من الہ اذا تحیر اذ العقول تتحیر فی معرفتہ او من الھت الی فلان ای سکنت الیہ لان القلوب تطمئن بذکرہ والارواح تسکن الی معرفتہ او من اَلِہَ اذا فزع من امر نزل علیہ و اٰلھَہٗ غیرہ اجارہ اذ العائذ یفزع الیہ وھو یجیرہ حقیقةً او بزعمہ او من الہ الفصیل اذا اولع بامہ اذالعباد مولعون بالتضرع الیہ فی الشدائد او من ولہ اذا تحیّر و تخبط عقلہ و کان اصلہ ولاہ فقلبت الواو ھمزۃ لاستثقال الکسرۃ علیھا استثقال الضم فی وجوہ فقیل الاہ کاعاء و اشاح و یردہ الجمع علی الھۃ دون اولھۃ و قیل اصلہ لاہ مصدر لاہ یلیہ لیھا ولاھا اذاحتجب وارتفع لانہ تعالٰی محجوب عن ادراك الابصار مرتفع علٰی کل شیء و عما لا یلیق بہ و یشھد لہ قول الشاعر: کحلفة من ابی رباح یسمعھا لاھہ الکبار.

ترجمہ : لفظ اللہ درحقیقت ''الٰہ'' ہے جس میں سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور عوض میں الف لام داخل کیا گیا، یہ الف لام تعریف کا نہیں ہے، اسی لئے جب اللہ کو منادیٰ بنایا جائے گا اور یااللہ کہیں تو ہمزہ قطعی کا استعمال ضروری ہوگا، مگر یہ یاد رکھنا ہے کہ لفظ اللہ صرف معبود برحق کے لئے خاص ہے اور رہا لفظ الٰہ تو اصلاً اس کا استعمال ہر معبود کے لئے ہوسکتا ہے، حق ہو یا باطل، لیکن استعمال لفظ الٰہ کا بھی معبود برحق کے لئے ہونے لگا۔

لفظ الٰہ کے ماخذ میں اختلاف ہے۔ بعض اسے اَلَـــىَ اِلٰهۃً و الـــوهۃ و الـوهیۃ سے ماخوذ مانتے ہیں۔ عَبَدَ کے معنی میں اور اسی سے تَـاَلَّہٗ و استألہٗ مشتق ہے۔ جب کہ بعض کا خیال ہے کہ اَلِهَ سے ماخوذ ہے، اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی محوِ حیرت ہو اور چوں کہ خدا تعالیٰ کی معرفت میں ہر ایک سراپائے حیرت ہے اس لئے اسے اَلِهَ کہنا مناسب ہوگا۔ الهت الی فلان سے بھی ماخوذ مانا جاسکتا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ مجھے فلاں کے پاس سکون نصیب ہوا۔ چوں کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے بندوں کے قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں، اس لئے اسے الله کہا جانا مناسب ہے اور ہوسکتا ہے کہ اِلٰہٌ وَ اَلَهَہُ غیرہ سے اخذ کیا گیا ہو۔ درپیش مصائب میں گھبرا جانے والے انسان کے لئے جب کہ کوئی دوسرا اس کو پناہ دے استعمال ہے۔ واقعۃً مصائب میں انسان کا خاصہ گھبرا جانا ہے اور حقیقی پناہ گاہ سوا خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں یا اَلِـــهَ الـفـصـیـل سے استعمال ہے۔ اونٹنی کا بچہ جب اپنی ماں سے چمٹ جائے تو یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں۔ مصائب میں بندے کا طرز گڑگڑانا ہوتا ہے اور معنوی طور پر وہ جناب باری سے خود کو چمٹا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اِلٰه وَلِـهَ سے بھی ماخوذ ہوسکتا ہے بمعنی مخبوط العقل، اس صورت میں اس کی اصل وِلاَہٌ ہوگی واؤ ہمزہ سے بدل دی گئی چوں کہ واؤ پر کسرہ اسی طرح ثقیل ہے جیسا کہ وجوہ کے واؤ پر ضمہ ثقیل ہے، اس تبدیلی کے بعد ہمزہ کے ساتھ اِلاَہٌ درحقیقت لاَہٌ ہے لاہ یـلیه لیها و لاهاً وغیرہ۔ جب کوئی ہستی نظروں سے مستور اور تصورات سے ماورا ہو تو اس کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا نگاہیں ادراک نہیں کرسکتیں، ہر تصور سے اس کی ہستی فائق ہے۔ ہر ناپسندیدہ صفت سے وہ پاک اور بالا ہے، اس کی تائید میں یہ شعر بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ شعر : ابورباح کی اس ایک دفعہ کی قسم کے مانند جس کو اس کا معبود اعظم سن رہا ہے۔

تشـــــریـح : قاضی صاحبؒ کی بحث کا اب رخ لفظ اللہ کی تحقیق ہے، عجیب بات ہے کہ ذات و صفات خدا کا مسئلہ بھی الجھا ہوا؛ بلکہ لاینحل بن گیا، ایسے ہی لفظ اللہ کی تحقیق بھی بحث میں الجھ کر رہ گئی۔ اربابِ لغت اور اسماء کی تحقیق کرنے والے حیرت زدہ ہیں کہ اس لفظ کا ماخذ کیا ہے اور وجہ استعمال کیا ہوگی۔ فلسفۂ قدیم میں تو اس کا صاف انکار موجود ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے اسماء ذاتی ہیں، ان کے خیال کے مطابق اسم سے مسمّی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، پھر یہ اسماء یا خدا تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں یا بندوں نے اس کے لئے وضع کئے ہیں اور چوں کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات کی معرفت میں کسی کے محتاج نہیں تو وضع کا مقصد فوت ہوگیا، اس لئے وہ خود واضع نہیں ہوسکتے۔ یہ امکان تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان اسماء کو اپنے لئے وضع کیا ہو؟ بلکہ بندوں

کے لئے وضع کیا ہو،مگر یہ امکان بھی قبول نہیں۔ چوں کہ بندوں کو خدا تعالیٰ کی ذات کی معرفت نصیب نہیں اور وضع کا مقصد یہی تھا تو پھر اسماء کی وضع سے کیا فائدہ؟ بندے اگر واضع سمجھے جائیں تو وضع کے لئے موضوع لہٗ ذاتاً ملتفت الیہ ہونا چاہئے اور خدا تعالیٰ کی ذات بندوں کے لئے ایسی ملتفت الیہ نہیں ہے، اس لئے بندوں کو بھی واضع نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ ان دلائل کے نتیجہ میں فلسفۂ قدیم والے خدا تعالیٰ کے لئے اسماء ذاتی کے وضع ہونے کے تصور کو قبول نہیں کرتے۔ اس کے مقابل ایک دوسرا خیال ہے اور وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ کے اسماء ذاتی ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسمّی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی کل حقیقت یا بعض حقیقت کے اعتبار سے معلوم ہو، بلکہ اس کا علم کسی بھی درجہ میں کافی ہوگا اور چوں کہ یہ امکان موجود ہے کہ خدا تعالیٰ کو ہم نے اس کی صفات سے کسی درجہ میں معلوم کر لیا ہو۔ بس اتنا علم وضع کی بنیاد بن سکتا ہے تو اسماء ذاتی ہو سکتے ہیں۔ مگر خود اسمِ ذاتی ماننے والوں میں چار خامیاں ہیں:

(۱) اللہ اسم مشتق ہے۔ (۲) اللہ صفت مشتقہ ہے۔ (۳) اللہ علم ہے۔ (۴) اللہ سریانی لفظ ہے۔

تفصیل سے قبل اسے یاد رکھئے کہ لفظ اسم آپ نے نحاۃ کے یہاں پڑھا ہوگا، یعنی اسم، فعل اور حرف۔ نحاۃ کا یہ اسم عَلَم، اسم جنس، صفت مشتقہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسے یوں سمجھئے کہ اگر ہم اسم کا تصور کریں تو اس میں کوئی اور شریک ہوگا یا نہیں، اگر شرکت متصور نہیں ہے تو پھر وہ علم ہے اور اگر شرکت چل سکتی ہے تو یا صرف ذات مراد لیں گے یا ذات کے ساتھ کوئی وصف بھی لگائیں گے۔ اگر صرف ذات مراد ہے تو اسے اسم جنس کہتے ہیں اور اگر کوئی صفت بھی چسپاں ہے تو صفت مشتق کہلاتی ہے۔

اس وضاحت سے یہ معلوم ہوگا کہ علم اور اسم جنس کے مقابلہ میں مشتق آ رہا ہے۔ لیکن قاضی صاحبؒ کے یہاں مشتق سے مراد کسی اصل سے ماخوذ ہونا ہے۔ خواہ صفت ہو یا اسم ہو اور ذات سے وہ مراد مستقل بالمفہومیہ لیتے ہیں۔ اور جس میں قدرے تعین ہو شخصی یا نوعی یا جنسی اسے معین کہتے ہیں۔ شخصی کی مثال خالد، نوعی کی مثال بقر، جنسی کی مثال حیوان۔ البتہ اسے یاد رکھئے کہ مصنفؒ کے یہاں لفظ وصف سے اسم جنس اور علم کے مقابل میں جو معنی پیشِ نظر تھے وہی ملحوظ ہیں۔

اس تمہید کے بعد تشریح کی جانب آئیے کہ لفظ اللہ کی اصل اِلٰـہٌ ہے اور لغۃً اس کا استعمال ہر معبود کے لئے ہو سکتا ہے حقیقی ہو یا مجازی، حق ہو یا باطل، لیکن الف لام برائے عہد کے داخل کرنے کے بعد اس کا غالب استعمال سچے معبود کے لئے ہی ہوتا ہے۔ ہمزہ کو حذف کرنا از روئے قاعدہ بھی ہوتا ہے اور خلاف قیاس بھی۔ یہاں ہمزہ کا حذف کسی قاعدہ کا تقاضہ نہیں اور یہ اس لئے کہ جو چیزیں قیاساً حذف کی جاتی ہیں

ان کا عوض دینا ضروری نہیں ہوتا۔ اور یہاں عوض دیا گیا ہے تو یہ کھلی علامت ہے کہ ہمزہ کا حذف مطابق للقیاس نہیں ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ یـااللّٰـہ بشکل منادیٰ ہمزہ قطعی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، تاکہ معرف باللام سے اس کا امتیاز باقی رہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ یااللّٰہ بشکل منادیٰ ہمزۂ قطعی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تاکہ معرف باللام سے اس کا امتیاز باقی رہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ اللہ کا استعمال صرف معبود برحق کے لئے ہے۔ لفظ اللہ کے مشتق منہ کے بارے میں مفسر علاّم سات اقوال ذکر کریں گے۔

۱-اَلَـہَ اِلٰہَ الوھۃ والوھیۃ باب فتح سے مستعمل ہے، جس کے معنی ہیں عبادت کرنا۔ یہ مالوہ کے معنی میں چلا گیا، چوں کہ خدا تعالیٰ حقیقۃً تمام مخلوق کے معبود ہیں، اس لئے ان کے لئے اس لفظ کا استعمال سب سے زیادہ صحیح ہوگا۔ اَلَـہَ یالَہُ تالّہَ باب تفعل میں بھی آتا ہے، جس کے معنی ہیں: فلاں فلاں کے لئے غلام کی طرح ہوگیا۔ استفعال میں اس کا صیغہ اِستأله ہے۔ اس کا بھی ترجمہ ''غلام سے مشابہ ہوگیا'' ہے۔

۲-باب سمع میں اَلِـہَ سے ماخوذ ہے ترجمہ متحیر ہونا۔ اَلِـہَ بمعنی مالوہ وہ ذات جس کی تحقیق میں سب ہی متحیر ہیں۔

۳-اَلِھْـتُ الٰی فلان سے ماخوذ ہے کہ مجھے سکون فلاں ہی کے پاس نصیب ہوا مصائب میں حقیقی سکون کا ذریعہ ذکرِ خدا اور اس کی کثرت ہے، خود خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب.

۴-اَلِـہَ سے ماخوذ ہے۔ معنی ہیں مصائب میں گھبرانا اور آلَـہَ گھبرائے ہوئے کو پناہ دینا۔ حقیقۃً مبتلائے مصیبت کی پناہ گاہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ معبود حقیقی، حقیقی پناہ گاہ ہے اور مجازی خدا خیالی پناہ دیتے ہیں۔ ان کے پناہ کی کوئی حقیقت نہیں، لیکن ان کا پرستار ان ہی کو اپنے خیال کے مطابق پناہ گاہ بناتا ہے، تو پناہ دینا اس لفظ کا مفہوم ہے، خواہ حقیقی پناہ ہو یا خالی خیال۔

۵-یہ اَلَـہ الـفصیل سے ماخوذ ہے۔ فصیل اونٹ کا بچہ، جمع فُصلان، چوں کہ عربوں کا مخصوص جانور اونٹ ہے اور وہ اس کی ہر ادا پر مطلع ہیں، اس لئے بیشتر عربی مثالیں اونٹ ہی سے متعلق ملتی ہیں۔ اشعار عرب میں بھی اس سے متعلق تذکرے ہیں اور حدیث وقرآن میں بھی۔ قرآن کریم نے عربوں ہی کے لئے اَفَلاَ یَـنْـظُـرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ فرما کر اونٹ کی تخلیق کو غور وفکر کے لئے منتخب کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے امیر کی اطاعت اور اس کے کامل انقیاد کا مضمون بیان کرنا چاہا تو اونٹ ہی کی وفا شعاری و انقیاد کو شامل مضمون کیا۔ یوں تو جانور کے تمام بچے اپنی ماں کی جانب متوجہ رہتے ہیں لیکن اونٹ کا بچہ ماں سے جو وابستگی رکھتا ہے اس کی مثال جانوروں میں بھی کم ہے، تو جب اونٹ کا بچہ شدتِ شوق میں ماں سے

چمٹتا ہے تو اہل عرب اَلَہَ الفصیل کہتے ہیں۔

مصائب میں یادِ خدا خصوصی طور پر آتی ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ سے کسی شخص نے وجودِ خدا کی دلیل طلب کی تھی تو فرمایا کبھی بحری سفر تم نے کیا ہے؟ سائل کے اثبات میں جواب دینے پر مزید فرمایا کہ جب کشتی سمندر میں غرق ہونے کے قریب ہو، اس کے تختے ٹوٹ گئے ہوں، موجوں کے زبردست تھپیڑے ہوں، بھنور ہو اور منجدھار۔ موت سامنے کھڑی ہو اور زندگی کا واہمہ تک نہ ہو اس وقت تمہیں کون یاد آتا ہے؟ پوچھنے والے نے کہا صرف خدا۔ امام نے فرمایا کہ یہی وجودِ خدا کی دلیل ہے جو مصائب میں تم کو یاد آتا ہے۔ عیش میں یادِ خدا نہیں آتی لیکن آفات وحوادث میں گھرا ہوا انسان سوائے خدا کے اور کسی کو اپنی پناہ گاہ نہیں سمجھتا۔

ولنعم ما قيل فى الاردويه. ع

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

۶- یہ وَلْہٌ سے ماخوذ ہے وَلَہَ یَلِہُ وَلَھًا باب ضرب حیرت زدہ ہونا، عقل کا فتور پذیر ہو جانا، خدا تعالیٰ کو اِلٰہٌ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی ہستی وصفات کے ادراک میں سب مبتلائے حیرت ہیں، کچھ نے تو نارسی کا اعتراف بصورتِ انکار خدا ہی کر دیا اور کچھ کے تصورات نہایت ہی ناقص اور جھول دار ہیں، مباحث سے یہ مسئلہ طے نہیں کیا جا سکتا اور نہ کٹ حجتی اس راہ میں کارآمد ہے بلکہ تفکر بھی اس راہ میں واماندہ ہے۔ شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے: ''کہ حیرت گرفت آستینم کہ قُم''

اکبرالہ آبادی نے بھی اپنے اس شعر میں اسی حقیقت کو دہرایا ہے:

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

انسان ادراک کسی شے کا حواسِ خمسہ سے کرتا ہے۔ رویت کے لئے مرئی کا سامنے ہونا ضروری ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ تمنائے دید پر موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل پیغمبر کو لن ترانی کا جواب مل گیا تھا۔ شدتِ لطافت اشیاء کے ادراک سے مانع ہے، روح لطیف ترین چیز ہے، اس کا ادراک بھی انسان کے لئے ممکن نہیں رہا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحُ. قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ بلکہ اس راہ میں انسان کی دانشوری پر یہ فرما کر ضرب کاری لگائی کہ وَ مَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلاَّ قَلِيْلاً. خدا تعالیٰ کی لطافتوں کا کیا کہنا کہ یہی لطافت مانع

ادراک ہے۔ کما قال فی شانه لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْر لطیف ہے اس لئے کہ ابصار اس کے ادراک سے عاجز، خبیر ہے اس لئے وہ ہر ایک پر مطلع۔ اِلاہ اور و لاہ میں فرق یہ رہے گا کہ اول الذکر کا ہمزہ اصلی ہے اور ثانی الذکر میں ہمزہ واوَ سے بدل گیا۔ اس میں ایک تعلیل بھی جاری ہوگی اور وہ اس طرح کہ اِلاَہٌ درحقیقت وِلاَہٌ تھا، واوَ حروفِ علت میں سے ہے اور ضعیف ہے اور کسرہ حرکات ثلاثہ میں سے ثقیل ہے، اس لئے واوَ کو ہمزہ سے بدل دینا پڑا، یہ تعلیل بالکل ایسی ہی ہے جیسی کہ وُجُوْہٌ میں ہوئی تھی۔ اِعَاء اور اِشَاح درحقیقت وِعَاءٌ اور وِشَاحٌ تھے، اسی علت مذکورہ کی بنا پر بعد تعلیل اعاء و اشاح ہوگئے تو ولاہٌ بھی اِلہٌ ہوگیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاضی صاحبؒ لفظ اِلہ کی اس چھٹی تحقیق سے مطمئن نہیں، اس لئے انہوں نے نقض وارد کرتے ہوئے کہا کہ اِلاہٌ کی جمع تکسیر آلِهَةٌ آتی ہے اگر ولاہ اصل ہوتی جیسا کہ بتایا جارہا ہے تو اَوْلِهَةٌ آنی چاہئے تھی۔ مشہور ہے کہ تکسیر و تصغیر اسماء کو اپنی اصل کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس ضابطہ کے تحت اولهة کے بجائے آلهةٌ کیوں کر ہوسکتی ہے۔ بعض حضرات نے اس کا جواب بھی دیا ہے کہ آلِهةٌ کے وزن پر جمع ہمزہ کو اصلی سمجھنے کا نتیجہ ہے ولاہ کا استعمال تو ہوتا ہی نہیں، مگر معلوم ہے کہ فیصلے لوگوں کے خیالات کے مطابق نہیں ہوتے ان کے سمجھنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ اصل وِلاَہٌ ہی رہے گی۔

۷- اصل لاہ یلیہ لیھاً و لاھاً باب ضرب سے ہے اور یہ دو معنی میں مستعمل ہے۔ بلند تر ہونا۔ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونا، اس صورت میں اِلٰــہٌ کی اصل لاَہٌ ہوگی اور اللہ بنانے کے لئے الف لام داخل کئے گئے، واقعۃً خدا لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے بلکہ ہر مخلوق کی نظر سے وَلِلّٰه در القائل:

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

و ان شئت فقل:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

مقالات و مضامین

علوم حدیث دور جدید میں

ڈاکٹر محمود احمد غازی

اس گفتگو سے دو چیزیں پیش کرنا مقصود ہیں۔ ایک تو اس غلط فہمی یا کم ہمتی کی تردید کہ علم حدیث پر جو کام ہونا تھا وہ ماضی کے سالوں میں ہو چکا اور آج نہ علم حدیث پر کسی نئے کام کی ضرورت ہے اور نہ کوئی نیا کام ہو رہا ہے۔ محدثین کے یہ کارنامے سن کر ایک خیال یہ ذہن میں آ سکتا ہے کہ جتنا کام ہونا تھا وہ ہو چکا، جو تحقیق ہونی تھی وہ ہو چکی، اب مزید نہ کسی کام کی ضرورت ہے اور نہ کسی تحقیق کی۔ یہ غلط فہمی دور ہو سکتی ہے اگر مختصر طور پر یہ دیکھ لیا جائے کہ آج کل حدیث پر کتنا کام ہو رہا ہے اور اس میں مزید کن کن کاموں کے کرنے کے امکانات ہیں اور کیا کیا کام آئندہ ہو سکتے ہیں۔

دوسری وجہ اس گفتگو کی یہ ہے کہ بہت سے ایسے اہل علم اور تحقیق کے طلبہ جو کوئی کام کرنا چاہتے ہیں اور علم حدیث کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنانا چاہتے ہیں ان میں سے بہت سے طلبہ کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر علم حدیث پر کوئی نئی تحقیقی کاوش شروع کی جائے تو وہ کیا ہو۔ کن موضوعات پر ہو اور کن خطوط پر ہو۔ آج کی گفتگو میں ان ہی دو اسباب کی وجہ سے بعض گزارشات پیش خدمت ہیں۔

بیسویں صدی کو اگر ہم دور حاضر یا دور جدید قرار دیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بیسوں صدی کے دوران علم حدیث میں ایک نئی سرگرمی پیدا ہوئی ہے اور علم حدیث پر کام کرنے کے نئے نئے میدان اور نئے نئے موضوعات سامنے آئے ہیں۔ خاص طور پر دنیائے عرب میں اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے علم حدیث پر ایک نئے انداز سے کام کا آغاز کیا ہے اور تحقیق اور علمی کاوش کے ایسے ایسے نمونے دنیا کے سامنے رکھے ہیں جن کو علم حدیث کی تاریخ میں ایک نئے دور کا نقطۂ آغاز کہا جا سکتا ہے۔ عرب دنیا میں بہت سی جامعات کے شعبہ ہائے اسلامیات نے اور بہت سی جامعات اسلامیہ نے علم حدیث کے موضوع پر ایسے نئے مقالات تیار کرائے ہیں جنھوں نے علم حدیث کے ان تمام گوشوں کو از سر نو زندہ کر دیا ہے جن کو ایک طویل عرصہ سے لوگوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔

ایک عام تاثر یہ تھا کہ رجال اور جرح وتعدیل پر جتنا کام ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ احادیث مرتب ہوچکیں، مدوّن ہوچکیں اور کتابی شکل میں ہم تک پہنچ چکیں۔ اب ازسرنو رجال پر غور کرنے یا جرح وتعدیل کے مباحث کو دوبارہ چھیڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ اب اس کی ضرورت ہے۔ جزوی طور پر یہ بات درست ہے اور ایک حد تک میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ احادیث مرتب ہوچکیں، کتابوں کی شکل میں مدوّن ہوچکیں، احادیث کا درجہ متعین کیا جاچکا ہے اور کم وبیش ننانوے فیصد احادیث کے بارے میں یہ تحقیق ہوچکی ہے کہ ان میں سے کس حدیث کا روایت کے اعتبار سے، فن رجال اور سند کے اعتبار سے کیا درجہ ہے۔ اس لئے اس موضوع پر کسی نئی تحقیق یا کسی نئے نتیجہ کا سامنے آنا بہت بعید از امکان ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خود علم رجال اپنی اہمیت کھو چکا ہے یا علم جرح وتعدیل کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی اور یہ ماضی کا ایک بھولا بسرا علم ہے، جس کو ایک آثار قدیمہ کے طور پر تو پڑھا جاسکتا ہے، ایک زندہ علم اور ایک مسلسل حرکت پذیر علم کے طور پر اب اس کی اہمیت نہیں رہی۔ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ علم رجال، علم روایت، علم سند اور علوم حدیث آج بھی ویسے ہی زندہ علوم ہیں جیسے آج سے ایک ہزار سال پہلے یا بارہ سو سال پہلے تھے۔ ان علوم میں تحقیق کے ایسے ایسے گوشے اب بھی موجود ہیں جو اہل علم کی اور طلبہ حدیث کی توجہ کے مستحق ہیں۔ علامہ اقبال کا ایک فارسی شعر ہے جو شاید انہوں نے ایسے ہی کسی موقع کے لئے کہا ہوگا:

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں ☆ ہزار بادہ خوردہ در رگ تاکست

یہ مت سمجھو کہ انگور کے خوشے سے شراب نچوڑنے والے کا کام ختم ہو چکا ہے۔ ابھی تو انگور کے خوشوں میں ہزاروں شرابیں ہیں جو نچوڑی جانی ہیں اور جن کو نکال کر ابھی لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہی معاملہ علم حدیث کا ہے کہ علم حدیث کے تمام علوم وفنون میں تحقیق کے ایسے ایسے گوشے ابھی موجود ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور اہل علم ان پر کام کر رہے ہیں۔

اس معاملہ میں دنیائے عرب کی جامعات نے خاص طور پر جامعہ ازہر، سعودی عرب، شام اور مراکش کی جامعات میں علم حدیث کے موضوعات پر قابل ذکر ذخیرہ پیش کیا ہے اور علم حدیث کو ایک نئے انداز سے مرتب کرنے کی طرح ڈالی ہے۔ ان حضرات کے نام لئے جائیں تو یہ گفتگو بڑی طویل ہوجائے گی جنہوں نے علم حدیث کو نئی جہتوں سے نوازا ہے۔ ایسے حضرات کی تعداد بھی درجنوں سے بڑھ کر سینکڑوں میں ہے جو آج عرب دنیا کے گوشے گوشے میں علم حدیث اور علوم حدیث پر نئے انداز سے کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر میں آج کی گفتگو میں کروں گا۔

مستشرقین کی خدمات

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہاں مستشرقین کی مثبت علمی کاوشوں کا اعتراف بھی کرنا چاہئے۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اچھی بات کی تعریف کرے اور بری بات کی برائی کی نشاندہی کرے۔ ہم مستشرقین کے کاموں پر تنقید کرتے ہیں۔ مستشرقین کے جو کام تنقید کے قابل ہیں ان پر تنقید کرنی چاہئے، جہاں جہاں غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی کرنی چاہئے، جہاں جہاں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں یا پیدا کی گئی ہیں ان کا ازالہ کیا جانا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں مستشرقین نے کوئی اچھا کام کیا ہے اس کا اعتراف بھی کرنا چاہئے۔ مستشرقین کا کیا ہوا ایک غیر معمولی کام المعجم المفهرس لالفاظ الحديث جیسے جامع انڈیکس کی ترتیب ہے جس کا میں نے پہلے تذکرہ کیا ہے۔ یہ مستشرقین کی ایک جماعت نے سالہا سال کی کوششوں کے بعد تیار کی ہے۔ یہ بڑے سائز کی سات آٹھ جلدوں میں حدیث کی ایک انڈکس ہے جو ابجدی ترتیب کے حساب سے ہے۔ آپ کو کسی حدیث کا کوئی ایک لفظ بھی یاد ہو تو آپ اس سے نو کتابوں میں موجود کسی حدیث کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ صحاح ستہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد اور مسند دارمی۔ آپ کو مثال کے طور پر اگر یاد ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث ہے کہ انہوں نے ایک اونٹ خریدا اور وہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے خرید لیا۔ اب آپ کو جمل کا لفظ معلوم ہے اور باقی کوئی لفظ یاد نہیں ہے اور نہ یہ یاد ہے کہ صحابیؓ کون سے تھے تو آپ ابجد کے حساب سے جمل میں تلاش کر لیں۔ جمل کی احادیث دیکھ لیں تو آپ کو وہ حدیث مل جائے گی جس میں حضرت جابرؓ نے اونٹ خریدنے اور رسول اللہ ﷺ سے معاملہ کا ذکر ہے۔

یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔ جب کوئی شخص علم حدیث پر کام کر رہا ہو اور احادیث کے حوالے تلاش کر رہا ہو اور اس کتاب سے مدد لے اس وقت اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو حدیث کے طلبہ بہت کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور علم حدیث کا کوئی استاد، کوئی محقق اور کوئی مصنف اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ مستشرقین کا ایک قابل قدر کارنامہ ہے اور ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے۔ انہوں نے اچھی کاوش کی ہے، ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مستشرقین کا ایک اور کام جو دور جدید میں ہمارے سامنے آیا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی اس طریق کار کو اختیار کیا، وہ کتابوں کی ایڈٹنگ کا ایک نیا اسلوب ہے۔ ہمارے قدیم

زمانے میں اسلامی دور میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں یا چھپتی تھیں ان میں نہ کوئی پیراگراف ہوتا تھا، نہ گنتی ہوتی تھی نہ انڈکس ہوتی تھی، نہ فہرست ہوتی تھی اور کتاب شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی پیرے پر مشتمل ہوتی تھی۔ میرے پاس ایک کتاب ہے جو بارہ پندرہ جلدوں میں ہے اور پوری کتاب ایک ہی پیرے پر مشتمل ہے، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ نیا مضمون کہاں سے شروع ہوا ہے اور اس میں کیا بیان ہوا ہے۔ جس زمانے میں اہل علم اپنے حافظہ اور یادداشت میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے ان کو شاید یہ یاد ہوتا ہوگا کہ کس کتاب میں کون سی بات کہاں لکھی ہوئی ہے۔ لیکن اب جب کہ ہمتیں کم ہوگئیں اور حوصلے پست ہوگئے تو اب یہ دشوار ہوگیا کہ اتنی بڑی کتاب میں کوئی چیز تلاش کرنی ہو تو کس طرح تلاش کی جائے۔ اس میں مستشرقین کے اسلوب سے بڑی مدد ملی۔ انہوں نے کتابوں کو ایڈٹ کرنے کا اور شائع کرنے کا ایک نیا طریقہ اختیار کیا جس پر اب دنیائے اسلام میں بھی عمل ہو رہا ہے۔ اب نئی نئی کتابیں تحقیق ہو کر سامنے آ رہی ہیں، جن میں کتاب کو پیراگراف کے انداز میں تقسیم کیا گیا۔ اس کے مندرجات کو انڈکس کیا گیا، ان کے اشاریئے مرتب کئے گئے، فہرستیں تیار کی گئیں، اس کتاب کے پرانے نسخوں سے اس کا موازنہ کیا گیا اور صحیح ترین نسخہ کے تعین کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اہتمام کسی حد تک پہلے بھی ہوا کرتا تھا لیکن اب زیادہ سائنسی اور علمی انداز میں ہونے لگا ہے۔

اسی طرح سے اگر کتاب میں کسی سابقہ کتاب کا حوالہ ہے تو اس کتاب سے تلاش کر کے اس حوالہ کی نشاندہی کی جائے تاکہ آسانی ہو جائے، دراصل کتاب سے موازنہ کر کے رجوع کیا جا سکے۔ یہ طریقہ مغرب میں رائج ہوا اور دنیائے اسلام نے اس کو اپنایا۔ بلاشبہ یہ ایک اچھا طریقہ ہے، اس کے مطابق حدیث کی بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن سے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

تاریخ حدیث پر ہونے والا کام

بیسویں صدی میں تاریخ حدیث پر بھی ایک بڑا اہم کام ہوا جس کا ذکر میں اختصار کے ساتھ پہلے کر چکا ہوں۔ یہ کام جن صاحب علم بزرگ نے شروع کیا وہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی تھے جو حیدرآباد دکن میں جامعہ عثمانیہ میں اسلامیات کے استاد اور بڑے عالم اور مشہور مفکر تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے تاریخ تدوین حدیث کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔ تاریخ تدوین حدیث مرتب کرتے ہوئے انہوں نے مستشرقین کے ان اعتراضات کو سامنے رکھا جن میں یہ کہا گیا تھا کہ علم حدیث سارے کا سارا محض زبانی اور سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پیچھے کوئی مضبوط، ٹھوس اور علمی روایت نہیں ہے۔ اس لئے جو

ذخائر حدیث کے نام سے آج پیش کئے جاتے ہیں وہ سارے کے سارے مشکوک ہیں۔ یہ بات مستشرقین بیسویں صدی کے شروع میں کہا کرتے تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے تدوین حدیث پر ایک بڑی ضخیم کتاب مرتب کی جو غالباً آٹھ نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے اس اعتراض کو سامنے رکھ کر تدوین حدیث کی تاریخ کو ایسے نئے انداز سے مرتب کیا کہ یہ اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور وہ سارے شواہد سامنے آجاتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین کا یہ اعتراض کتنا کمزور ہے، کتنا بے بنیاد ہے اور کتنا غیر علمی ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے اس کام کو ان کے شاگردوں نے آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم ان کے براہِ راست شاگرد تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے صحیفہ ہمام بن منبہ کو ایڈٹ کیا۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ڈکٹیٹ کرایا ہوا اور ان کے تلمیذ خاص جناب ہمام بن منبہ کا مرتب کیا ہوا ذخیرہ تھا جس کے قلمی نسخے جرمنی اور کئی دوسرے ممالک کے کتب خانوں میں موجود تھے۔ وہاں سے انہوں نے یہ قلمی نسخہ حاصل کر کے اس کو ایڈٹ کیا اور اس پر ایک بڑا بھرپور مقدمہ لکھا۔ انہوں نے اس مقدمہ میں یہ بات ثابت کی کہ یہ مجموعہ جو حضرت ابو ہریرہؓ کی نگرانی میں تیار ہوا تھا اس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے تحریری اور زبانی دونوں یادداشتوں کے ذریعے اپنے شاگردوں تک منتقل کیا۔ ان کے شاگردوں نے بھی دونوں طرح سے اس میں مندرج احادیث کو اپنے شاگردوں تک منتقل کیا۔ یہاں تک کہ یہ مجموعہ مرتبین کتب حدیث تک پہنچا۔ اس مثال سے یا گویا Case Study سے مستشرقین کا وہ اعتراض غلط ثابت ہو گیا جس کی بنیاد پر وہ حدیث پر اعتراض کیا کرتے تھے۔

اس طرزِ استدلال کو اور لوگوں نے بھی آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر فواد سیزگین بھی ان اہل علم میں سے جنہوں نے دفاع حدیث میں قابل قدر کام کیا ہے۔ انہوں نے اسلامی علوم کی تاریخ پر انتہائی بھرپور اور تاریخ ساز کام کیا ہے جو آئندہ کئی سو سال تک لوگوں کے لئے مشعل ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بنے گا۔ ان کی یہ کتاب جرمن زبان میں ہے۔ اس میں ایک پوری جلد علم حدیث کی تاریخ اور مخطوطات کی فہرست پر مشتمل ہے۔ ان کا اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ صحیح بخاری کے مآخذ پر تھا۔ اس میں انہوں نے صحیح بخاری کے تمام مآخذ کا جائزہ لیا اور ایک ایک مآخذ کا جائزہ لے کر اور تجزیہ کر کے بتایا کہ صحیح بخاری میں جو مواد ہے یہ آج کی دنیا کے نزدیک تاریخ کے جو مستند ترین تاریخی مآخذ ہو سکتے ہیں ان کے ذریعے منتقل ہوا ہے۔ اس میں ایک لفظ اور ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جو علمی اعتبار سے ثابت نہ کی جا سکتی ہو۔ ڈاکٹر فواد سیزگین کا یہ کارنامہ غیر معمولی ہے۔ اب کوئی مستشرق یہ اعتراض نہیں کرتا کہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا حدیث کی کسی اور کتاب کا مواد

غیر مستند ہے۔انہوں نے دلائل سے یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح کر دی ہے۔

یہی بات ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی اور ان جیسے کئی دوسرے حضرات نے واضح فرمائی ہے۔ یہ سارے کا سارا کام بیسویں صدی میں ہوا ہے۔ بیسویں صدی ہجری نے گویا ایک نیا اسلوب تاریخ حدیث کے مطالعہ کا دیا جس کے نتیجے میں وہ رجحان ساز کام ہوا جس کی نمائندہ ترین شخصیات یہ پانچ چھ حضرات ہیں جن کے میں نے نام لئے۔

مخطوطات

قدیم مخطوطات کی جتنی اشاعت بیسوی صدی میں ہوئی اتنی ماضی کے شاید پورے دور میں نہ ہوئی ہو۔ بعض کتابیں ایسی تھیں کہ علم حدیث میں ان کا بڑا مقام تھا، لیکن وہ کسی وجہ سے عوامی سطح پر مقبول نہیں ہوسکیں۔ ان کے مخطوطات بھی بہت کم دستیاب ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جو نسبۃً زیادہ بہتر کتابیں تھیں، زیادہ جامع اور زیادہ مکمل کتابیں تھیں اور ترتیب کے اعتبار سے زیادہ اچھی کتابیں تھیں انہوں نے بقیہ کتابوں سے لوگوں کو مستغنی کر دیا۔ عام طلبہ کو ان کتابوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ چوں کہ طباعت کا زمانہ نہیں تھا، اس لئے وہ کتابیں زیادہ رائج نہیں ہوسکیں اور قدیم مخطوطات ہی کی صورت میں رہیں یا چند اہل علم تک محدود رہیں۔ عام طور پر اہل علم ان کتابوں سے واقف نہیں ہوتے تھے۔

مثلاً مصنف عبدالرزاق کا میں نے ذکر کیا۔ مصنف عبدالرزاق ایک بڑی جامع کتاب ہے۔ اتنی جامع کہ حدیث کے چند جامع ترین مجموعوں میں سے ایک ہے۔ صحابہ اور تابعین کے اقوال اور فتاویٰ کا بہت بڑا مآخذ ہے لیکن اس کے مخطوطے بڑے محدود تھے، کہیں کہیں پائے جاتے تھے اور عام طور پر ملتے نہیں تھے۔ مصنف عبدالرزاق کوئی درسی کتاب نہیں تھی کہ ہر جگہ آسانی سے اس کے نسخے مل جائیں۔ علماء حدیث کو عام طور پر اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اس لئے کہ طلباء کو پڑھانے کے لئے صحاح ستہ اور ان کی شرحیں کافی تھیں۔ اب بیسویں صدی اور اس کے وسط میں ایک بڑے مشہور بزرگ جن کا تعلق ہندوستان سے تھا، حیدرآباد دکن میں رہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، انہوں نے حدیث کی درجنوں کتابیں ایڈٹ کیں اور عرب دنیا میں چھپوائیں جو آج عام ہیں۔ ہندوستان میں گجرات کے صوبہ کے ایک بزرگ مولانا احمد میاں سملکی تھے۔ سملک بھارت کے صوبہ گجرات کا کوئی شہر تھا جہاں کے وہ رہنے والے تھے۔ وہ بڑے صاحب علم آدمی تھے اور اللہ تعالیٰ نے دولت بھی بہت دی تھی۔ جنوبی افریقہ میں ان کے خاندان کا ایک حصہ آباد

ہے، کچھ گجرات میں اور کچھ کراچی میں آباد ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی دولت دی ہے اور میں نے خود ان کی دولت مندی کے بہت سے نمونے دیکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ وہ ایک بہت بڑا ادارہ قائم کریں جس سے یہ ساری کتابیں شائع ہوئیں۔ مصنف عبدالرزاق انہوں نے اپنے خرچہ سے شائع کی اور پوری دنیا میں مفت تقسیم کرادی۔ آج مصنف عبدالرزاق کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور یہ کتاب دنیا کے ہر کتب خانہ میں موجود ہے۔ اسی طرح سے امام حمیدی جو امام بخاری کے استاد تھے، ان کی ایک کتاب تھی جو مسند الحمیدی کے نام سے بڑی مشہور تھی۔ وہ عام طور پر نہیں ملتی تھی، کہیں کہیں اس کے مخطوطے اور نسخے موجود تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کو بھی ایڈٹ کیا اور ان ہی بزرگ نے اپنے خرچ پر اس کو بھی شائع کرادیا۔ آج وہ دنیا کی ہر لائبریری میں موجود ہے۔

امام ابوبکر بزّار جو ایک بڑے مشہور محدث تھے، ان کی کتاب 'مسند بزار' ہے، ان کے زوائد پر ایک پرانی کتاب چلی آرہی تھی جس کا نام تھا 'کشف الاستار عن زوائد البزار' وہ بھی مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ایڈٹ کرکے شائع کروادی۔ اس طرح حدیث اور علوم حدیث کی درجنوں پرانی اور بیش قیمت کتابیں ہیں جس پر اتنی بڑی تعداد میں اہل علم نے کام کیا ہے کہ اگر میں ان کے صرف نام ہی لینے لگوں تو گفتگو بہت لمبی ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

بیسویں صدی اس اعتبار سے علم حدیث کی تاریخ میں نمایاں ہے کہ وہ مواد جو ابتدائی دو تین صدیوں میں جمع ہوا تھا، تیسری چوتھی صدی ہجری تک آ گیا تھا، وہ بعد کے سالوں میں یعنی پانچویں چھٹی صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک لوگوں کے لئے اکثر و بیشتر دستیاب نہیں رہا اور عام لوگوں کو ملتا نہیں تھا۔ بعض بعض کتب خانوں میں موجود تھا اور اہل علم جا کر استفادہ بھی کیا کرتے تھے لیکن بیسوی صدی میں یہ سب کتابیں چھپ کر عام ہوگئیں اور لوگوں تک پہنچ گئیں۔

شام کے ایک بزرگ ڈاکٹر نورالدین عتر ہیں۔ انہوں نے علم حدیث پر بڑا قابل قدر کام کیا ہے اور کئی پرانی کتابیں ایڈٹ کرکے شائع کردی ہیں۔ خطیب بغدادی کی کتابیں بیسویں صدی میں شائع ہوئیں، اسی طرح سے ہمارے سابقہ مشرقی پاکستان مرحوم (بنگلہ دیش) کے ایک بزرگ ڈاکٹر معظم حسین تھے، جو وہاں شعبۂ عربی کے صدر تھے، انہوں نے امام حاکم کی معرفت علوم الحدیث ایڈٹ کرکے شائع کروائی تھی اور قاہرہ سے شائع ہوئی تھی، وہ اب دنیا میں ہر جگہ عام ہے۔

مطالعہ کی اہمیت، اصول اور طریقۂ کار

مفتی عبید انور شاہ قیصرؔ
استاذ جامعہ ہٰذا

مطالعہ کی اہمیت وافادیت سے ہر صاحبِ شعور بخوبی واقف ہے۔ مطالعہ روح کے لئے غذا کی حیثیت رکھتا ہے۔ مطالعہ سے ہی فکر ونظر کے بند دریچے کھلتے اور ذہن زرخیز ہوتا ہے۔ مطالعہ اور کتب بینی سے انسان کا فکری ارتقاء ہوتا اور خیالات ونظریات میں پختگی آتی ہے۔ مطالعہ سے فہم وشعور میں وسعت وگہرائی اور شخصیت میں اعتدال واعتماد پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتابوں کو انسان کا سب سے اچھا رفیق کہا جاتا ہے، بقول شورش کاشمیری کتاب سا مخلص دوست کوئی نہیں۔ پیرزادہ عاشق کیرانوی کا شعر ہے:

سرُورِ علم ہے کیفِ شراب سے بہتر☆ کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

کتاب ایک بار آپ کی ساتھی بن جائے تو پھر ہمیشہ ساتھ رہتی ہے، یہ اس وقت بھی ہمیں تنہا نہیں چھوڑتی جب باقی سب ہمارا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ کتابیں صرف زمانہ حال میں حقِ رفاقت ادا نہیں کرتیں بلکہ کسی مخلص ترین دوست کی طرح مستقبل سنوارنے اور نکھارنے میں بھی معین ہوتی ہیں۔ درحقیقت زندہ قوموں کے عروج وکمال کی راہ میں کتابیں راہبر بھی ہوتی ہیں اور ہمسفر بھی۔ جب کسی قوم میں مطالعہ اور تحقیق کا عمومی ذوق پیدا ہوجاتا ہے تو وہ قوم ترقی کی شاہراہ پر چل پڑتی ہے اور بلندیوں کو سر کرلیتی ہے۔

مطالعہ کے فوائد

مطالعہ اور کتب بینی کے بے شمار فائدے ہیں، کتب بینی کے ذریعہ ہم تاریخ کے مختلف ادوار کی سیر کرتے ہیں، اپنے وقت کی عظیم ہستیوں، نامور لوگوں، مشہور ومعروف بادشاہوں، قلمکاروں، ادیبوں اور شعراء سے ملاقات کرتے ہیں۔ ان کے احوالِ زندگی سے واقفیت حاصل کرتے، ان کے تجربات، مشاہدات، افکار وخیالات سے استفادہ کرتے ہیں۔ مطالعہ ہی کے ذریعہ ہم دنیا کے ذہین اور عظیم لوگوں کے علوم ومعارف سے روشناس ہوتے ہیں، جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی ذہانت اور محنت سے علم و

معرفت کے سربستہ رازوں کو کھولا، قدرت اور فطرت کے قرینوں کو پہچانا، تجربہ، مشاہدہ اور جانچ پرکھ کے اصولوں کو بروئے کار لا کر دانائی اور حکمت کے چہرے سے نقاب اٹھایا۔ مطالعہ کے ذریعہ ہم مختلف ملکوں، قوموں اور علاقوں کی تہذیب اور کلچر کی معلومات حاصل کرتے ہیں، ان کی خصوصیات، امتیازات اور تعلیمی، تمدنی، اقتصادی صورتحال کو جانتے ہیں۔ اگر کتابیں نہ ہوتیں تو انسان کے سیکھنے، سمجھنے، افادے، استفادے کی راہ بڑی حد تک مسدود ہو جاتی۔ کسی نے بڑی سچی بات کہی ہے کہ قوتِ مطالعہ نہ ہو تو آدمی کی شخصیت ایک محدود شخصیت ہوتی ہے، قوتِ مطالعہ حاصل ہوتے ہی اس کی شخصیت ایک آفاقی شخصیت بن جاتی ہے۔ پوری دنیا کا کتابی ذخیرہ اس کے لئے ایک وسیع علمی دسترخوان کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ انگریزی زبان کے مشہور ناول نگار جارج مارٹن (George R.R.Martin) نے بالکل سچ کہا ہے:

A reader lives a thousands lives before he dies. The man who never reads lives only one.

مطالعہ سے شغف رکھنے والا شخص مرنے سے پہلے ہزار زندگیاں جیتا ہے؛ جب کہ اس کے مقابلے میں مطالعہ نہ کرنے والا شخص محض ایک زندگی جیتا ہے۔

مطالعہ اور انسانی ذہن

مطالعہ کے فوائد میں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ مطالعہ کی بنا پر انسانی ذہن پر مثبت اور خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے انسان کی عمر بڑھاپے کی طرف بڑھتی ہے اس کے ذہن کے خلئے کمزور پڑنے لگتے ہیں، چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت سست پڑ جاتی ہے، یادداشت متاثر ہونے لگتی ہے، لیکن مطالعہ کے عادی افراد میں یہ آثار نسبتاً کم اور بہت سست روی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مطالعہ کی بنا پر ذہن کی اچھی خاصی ورزش ہوتی ہے جس سے ذہن تندرست و توانا رہتا ہے اور حافظہ بھی صحیح سالم رہتا ہے۔ حفظ و اتقان میں عدیم النظیر امیر المومنین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی ایسی دوا ہے جو حافظہ کو قوت دینے والی ہو تو آپ نے فرمایا:

لا اعلم شيئاً انفع للحفظ من نهمة الرجل و مداومة النظر (سیر اعلام النبلاء 12/406)

کہ حافظہ کے لیے آدمی کے انہماک، دائمی نظر و مطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں۔ اس تعلق سے یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ مطالعہ کے یہ فوائد کتابی مطالعہ کے ساتھ خاص ہیں، لیپ ٹاپ، موبائل، وغیرہ آلات کے ذریعہ مطالعہ کی صورت میں باقی علمی فوائد تو کسی حد تک حاصل ہو جاتے ہیں لیکن ذہن کی صحت سے جڑے مخصوص فائدے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان آلات کی شعاعوں اور اسکرین کی چمک کی بنا پر آنکھیں اور ذہن معمول سے زیادہ تھک جاتے ہیں اور ان میں کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے۔

ہمارے اسلاف کا ذوقِ مطالعہ

ہم آج جن اسلاف اور اکابر کا نام عقیدت واحترام سے لیتے ہیں، جن کے حسین تذکروں سے ہماری مجلسیں آباد رہتی ہیں، ان کے کارناموں اور جلیل القدر خدمات کے اسباب میں مطالعہ اور کتب بینی کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان حضرات نے اپنے شب وروز کا آرام، لذتِ کام ودہن، عیش وعشرت سب کچھ مطالعہ کے لئے قربان کردیا۔ مسلسل محنت، جدوجہد، شب بیداری کی تکالیف برداشت کرکے اپنی حیاتِ مستعار کے بیشتر لمحات مطالعہ میں صرف کئے اور علم وادب، تحقیق وتدقیق کے وہ شہ پارے اور لعل وجواہر ہمارے لیے چھوڑ گئے کہ دنیا کی ساری دولت ان کے سامنے ہیچ ہے۔ مطالعہ کو ان حضرات کی زندگی کا حاصل اور جوہرِ لازم کہا جاسکتا ہے۔ مطالعہ کے ذوق کو مہمیز دینے اور سرد پڑ چکے جذبات کو گرمیٔ احساس فراہم کرنے کی غرض سے ماضی قریب کے ہمارے دو بڑوں کے مطالعہ سے متعلق واقعات پیش خدمت ہیں۔

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ایک بار سخت بیمار ہوئے اور علالت طول پکڑ گئی۔ فجر کے وقت یہ افواہ مشہور ہوئی کہ حضرت کا وصال ہوگیا، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ یہ سن کر آپ کے مکان کی طرف لپکے، وہاں معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، البتہ تکلیف کی شدت تھی جو برقرار ہے۔ عیادت کے لئے یہ حضرات کمرے میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت العلامہ نماز کی چوکی پر بیٹھے سامنے تکئے پر رکھی ہوئی کتاب کے مطالعے میں مصروف ہیں اور اندھیرے کی وجہ سے کتاب کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ آنے والے حضرات یہ منظر دیکھ کر حیران ہوئے کہ مرض کی یہ شدت اور مطالعہ میں یہ انہماک! حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ہمت کرکے عرض کیا کہ حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اوّل تو وہ کون سی بحث رہ گئی ہے جو حضرت کے مطالعہ میں نہ آچکی ہو اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آگئی ہے کہ اسے چند روز مؤخر نہیں کیا جاسکتا اور اگر بالفرض کوئی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مرگئے ہیں۔ آپ حکم فرمادیتے ہم وہ مسئلہ تلاش کرکے عرض کردیتے لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت اٹھارہے ہیں وہ ہم خدام کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کچھ دیر بڑی معصومیت اور بے بسی کے انداز میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا: بھائی ٹھیک کہتے ہو لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں!

خطابت وصحافت اور ادب وسیاست کی نامور شخصیت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ذوقِ مطالعہ کے بارے میں لکھتے ہیں: میرے تخیل میں عیشِ زندگی کا سب سے بہتر تصور کیا ہوسکتا ہے؟ جاڑے کا موسم

ہو اور جاڑا ابھی قریب قریب درجہ انجماد کا، رات کا وقت ہو، آتش دان میں اونچے اونچے شعلے بھڑک رہے ہوں، میں کمرے کی ساری مسندیں چھوڑ کر اس کے قریب بیٹھا ہوں اور پڑھنے یا لکھنے میں مشغول ہوں۔

آج کا المیہ اور ہماری ذمہ داری

یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ ہماری موجودہ نسل اور ہمارا آج کا طالب علم مطالعہ اور کتب بینی سے بہت دور ہو گیا ہے۔ کمپیوٹر، موبائل، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ نے مطالعہ کا ذوق ہی ختم کر دیا ہے۔ ہمارے اکثر اوقات موبائل وغیرہ پر ضائع ہوتے ہیں جس کا ہمیں کبھی احساس بھی نہیں ہوتا، اور جب مطالعہ کی بات آتی ہے تو ہر شخص وقت کی تنگی کا شکوہ کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسی نسل ہمارے درمیان پروان چڑھ رہی ہے جو علم و دانش سے عاری اور جس کا قلب و ذہن اخلاق و ذمہ داری کے احساس سے خالی ہے۔ ہم سب کو مل کر اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ والدین، اساتذہ اور مربی حضرات کو اپنے بچوں اور شاگردوں پر نظر رکھنی چاہیے کہ وہ موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کا استعمال ضرورت سے زائد تو نہیں کرتے۔ ان کی ضرورت کے مطابق ان اشیاء کے استعمال کا وقت متعین کر دینا چاہیے، اس سے زائد استعمال کی انہیں ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ نرمی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ انہیں مطالعہ پر آمادہ کیا جائے۔ ان سے گفتگو کر کے اور خود اپنے مشاہدہ کی مدد سے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ انہیں کن موضوعات سے دلچسپی ہے اور کس طرح کی تحریریں پڑھنے پر ان کی طبیعت آمادہ ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ کے بچے کی توجہ ادب کی جانب زیادہ ہے تو اس سلسلے میں اس کی رہنمائی کریں، وہ علماء اور دانشور جن کی کتابیں علمیت کے ساتھ ادبیت سے مملو ہیں، ان سے بچوں کو روشناس کرائیں۔ مرحومین میں علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، شورش کشمیری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید انظر شاہ کشمیری اور موجودین میں مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا نسیم اختر شاہ قیصر وغیرہ وہ حضرات ہیں جن کی کتابیں پڑھ کر جہاں ادب کے فطری ذوق کی تسکین ہوگی وہیں علم و فکر کے اعتبار سے بھی شخصیت کی تکمیل و تزئین ہوگی۔ اگر ابتدا میں اس پر توجہ نہ دی گئی تو لازمی طور پر ان کی توجہ بے مقصد، غیر اخلاقی، حقیقت سے دور، خیالی اور غیر صحت منداَدب کی طرف ہو جائے گی، جس کے بڑے منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ سچ ہے کہ ؎ دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے

اس تفصیل سے یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ مطالعہ کا ذوق اگرچہ فطری و طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس ذوق کی آبیاری، اسے پروان چڑھانے اور صحیح رخ پر ڈالنے میں والدین اور اساتذہ مؤثر کردار ادا

کرتے ہیں۔اس لئے ان حضرات کو چاہیے کہ اپنے تجربات کی روشنی میں ان کے مطالعہ کے لئے لیے بہتر سے بہتر کتابوں کی ایک فہرست تیار کریں، جس میں تدریج اور ترتیب کا خاص لحاظ رکھا جائے۔مطالعہ کا عمومی ذوق پیدا کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں اور دوستوں کو کتابیں تحفہ کے طور پر دیں۔دیگر قیمتی تحفوں کے مقابلے کتابیں سستی اور عمدہ تحفہ ہیں۔

ایک اہم سوال

جب بات مطالعہ اور کتب بینی کی ہو تو ایک بنیادی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ ہمیں کس طرح کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے؟ کیا ہر کتاب کا مطالعہ کیا جائے؟ کیا کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کے مطالعہ سے اجتناب ضروری ہے؟ یہ ایک بنیادی سوال ہے جس کا واضح اور دوٹوک جواب یہ ہے کہ ہر لکھی جانے والی تحریر اور ہر طبع ہونے والی کتاب مطالعہ کے لائق ہو یہ بالکل ضروری نہیں۔کتابیں بنیادی طور پر دو قسم کی ہوتی ہیں، معیاری اور غیر معیاری۔معیاری کتابوں سے ذہن روشن ہوتا اور فکر ونظر میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، جبکہ غیر معیاری کتابیں شخصیت کے ارتقاء میں رکاوٹ بنتی ہیں۔اچھی کتابیں اچھا انسان اور اچھا معاشرہ بناتی ہیں، اچھی کتابوں سے شخصیت میں توازن، وقار اور شائستگی پیدا ہوتی ہے۔اس کے برعکس خراب کتابیں بگاڑ اور فساد کا سبب بنتی ہیں۔ اس لیے مطالعہ کے لئے کتابوں کے انتخاب میں بہت ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ایسے مصنفین جو اپنے موضوع پر مکمل دسترس نہ رکھتے ہوں، اخلاقی قدروں کو نہ مانتے ہوں، دین بیزار ہوں یا مغربی افکار سے مرعوب ہوں، ان کی لکھی کتابوں سے بچنا چاہیے۔وہ بعض طلباء جن میں ابھی مطالعہ کا شوق باقی ہے وہ بھی اکثر یہ غلطی کرتے ہیں کہ اپنے بڑوں اور اساتذہ سے مشورہ کئے بغیر اپنی ناپختہ عقل پر اعتماد کر کے مطالعہ شروع کر دیتے ہیں، جس کے بسا اوقات بڑے بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔آج کل کتابوں کی بہتات ہوگئی ہے، ایک موضوع پر درجنوں کتابیں دستیاب ہیں، لیکن ان میں ایک بڑی تعداد ایسی کتابوں کی ہے جو اس لائق نہیں ہوتیں کہ انہیں مطالعہ کی میز پر جگہ دی جائے۔خوشنما ٹائٹل اور عمدہ طباعت کے پسِ پردہ کیسی کیسی فکر کی غلطیاں چھپی ہوئی ہیں یہ پہچاننا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں، یہ تو خاص اہل علم کا کام ہے۔دراصل کتاب دو دھاری تلوار کی طرح ہے جس کے غلط استعمال سے خود اپنی ذات زخمی ہو سکتی ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ کی زندگی ہمارے لیے باعثِ عبرت اور سبق آموز ہے کہ کس طرح غلط مطالعہ اور کتابوں کے غلط انتخاب نے ایک زمانے میں انہیں اسلام سے دور کر دیا بلکہ اسلام بیزار بنا دیا، خدا کی خاص کرم نوازی رہی جو وہ اسلام کی جانب پلٹ آئے اور بحکم خداوندی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے دستِ برحق پر ان کی اصلاح ہوئی۔

یادرکھئے کہ جسم کتنا ہی صحت منداور مضبوط ہو اگر اس میں زہر داخل ہوگا تو ہلاک کئے بغیر یا شدید نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ مذہب بیزار، لبرل، بے دین، الحاد زدہ افراد کی کتابیں ایسے زہریلے افکار سے لبریز ہوتی ہیں کہ ایمان اور یقین کی بنیاد ہلا دیتی ہیں اور انسان کو شک وتذبذب اور عدمِ اطمینان کی تاریکیوں میں بھٹکنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ بہت سی کتابیں لفظ و بیان کے اعتبار سے غلطیوں سے پُر ہوتی ہیں، ایک طالب علم ایسی کتابیں پڑھ کر زبان کے درست استعمال پر قادر نہیں ہوسکتا۔ کتاب کی زبان اور اسلوبِ بیان کا اثر قاری پر راست طور پر پڑتا ہے۔ کسی مفکر نے بڑی قیمتی بات کہی ہے کہ اگر دو دن تک کسی کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے تو تیسرے دن گفتگو میں وہ شیرینی باقی نہیں رہتی یعنی اندازِ تکلم تبدیل ہوجاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ عمدہ اور معیاری کتابوں کے مطالعے ہی سے ہمیں گفتگو کا سلیقہ آتا ہے، اپنی بات کو مدلل کرنے اور اپنے بیان میں حسن پیدا کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ عمدہ کتابوں کا مطالعہ تقریر وتحریر میں شائستگی، سلاست وروانی، حسن اور معنویت پیدا کرتا ہے۔ اس لئے جو بھی پڑھیں معیار کا خیال رکھ کر پڑھیں۔ اگر شاعری سے دلچسپی ہے تو معتبر ومستند اور صف اوّل کے شعراء کو پڑھیں۔ سطحی، غیر معیاری، معنویت سے خالی، محض تُک بندی اور پھوہڑ شاعری سے خود کو دور رکھیں۔ یہی پیمانہ ہر فن میں استعمال کریں، اس فن کے ماہرین اور بلند پایہ قلمکاروں کی کتابیں ہی اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مطالعہ سے قبل اہلِ علم اور زبان و بیان سے واقفیت رکھنے والے اصحابِ نظر سے مشورہ لینا لازمی ہے۔ کھرے کھوٹے کی پہچان کے بعد ہی اپنے نفع نقصان کی شناخت ہو سکے گی۔

مطالعہ کا طریقہ اور چند بنیادی اصول

آج کی تیز رفتار زندگی میں ہر انسان کامیابی وترقی کی آسان اور مختصر راہ (Shortcut) کی تلاش میں ہے۔ آج طبیعتوں میں صبر کا فقدان اور محنت کا کال پڑ چکا ہے۔ کتب بینی کے سلسلے میں بھی لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بغیر پڑھے یا تھوڑا بہت پڑھ کر، زیادہ محنت سے بچ کر معلومات کا وہ ذخیرہ اور مطالعہ کے وہ فوائد حاصل کر لیں جو دیگر افراد نے طویل زمانے میں مسلسل مطالعہ سے حاصل کئے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ چیز فی الواقع دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہے، علت ومعلول اور عمل وردعمل کے ضابطہ سے بندھی اس دنیا میں بغیر عمل کسی نتیجہ کی امید محض ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں

اس خیال سے پیچھا چھڑا کر مطالعہ کے مثالی (Ideal) طریقہ اور تجربہ کی کسوٹی پر جانچے ہوئے ان اصولوں اور طریقوں کو جاننے کی کوشش کریں جن کے ذریعہ مطالعہ کو زیادہ مفید، اثر انگیز اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔

(ا) مطالعہ کا فائدہ اسی وقت ظاہر ہوگا جب کتاب کو تفریح کے ارادے سے نہیں، بلکہ کچھ سیکھنے اور

حاصل کرنے کی غرض سے پڑھا جائے۔ جو مطالعہ کچھ سیکھنے کے مقصد سے کیا جاتا ہے اس میں قاری ٹھہر ٹھہر کر، سمجھ کر، کتاب کے اسلوب بیان اور زبان کے استعمال پر غور کرتے ہوئے کتاب پڑھتا ہے، اس کے برعکس تفریحی مطالعہ سرسری اور محض ذہنی عیاشی کے طور پر ہوتا ہے۔ جو بھی پڑھیں سمجھ کر پڑھیں، ہر لفظ اور فقرے پر غور کریں، کوئی نیا لفظ یا تعبیر سامنے آئے تو اس کے تلفظ، معنی اور محلِ استعمال کی تحقیق کریں۔ کچھ دن اس طرح سمجھ کر پڑھنے سے خود ہی اس کے فوائد ظاہر ہو جائیں گے۔ یاد رہے کہ مطالعہ کے ذریعہ پورے پورے صفحات یاد کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کا مجموعی خلاصہ یاد رہ جائے یہی کافی ہے۔

(۲) آپ جو بھی پڑھیں اس کا لُبِّ لُباب اور خلاصہ لکھنا بھی لازمی اور ضروری ہے۔ یہ چیز مطالعہ کا تکملہ اور اس کے فائدے کو دوام بخشنے والی ہے۔ ہم جو کچھ پڑھتے ہیں اس کا ایک بڑا حصہ ہمارے حافظہ کی کمزوری کی نذر ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات پڑھی ہوئی کام کی بات بھی ضرورت کے موقع پر یاد نہیں آتی، ایسے وقت ہمارا لکھا ہوا خلاصہ اور ہماری ڈائری ہی ہمارے کام آتی ہے۔ کبھی ہمیں حوالہ یاد نہیں رہتا، کتاب کے اصل الفاظ یاد رکھنا تو بہت ہی دشوار ہے، حالاں کہ کبھی بعینہٖ ان الفاظ کو ہی نقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس موقع پر بھی ہماری ڈائری ہمارا سہارا بنتی ہے اور اس میں دیکھ کر اور اس سے مراجعت کر کے ہم اصل عبارت اور حوالہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ مطالعہ کا خلاصہ لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو اہم بحث یا تحقیقی بات آپ کسی کتاب میں پڑھیں، اپنی ڈائری اور کاپی میں اسے کم سے کم لفظوں میں قلم بند کرنے کی کوشش کریں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی ضروری بات یا اہم نکتہ لکھنے سے نہ رہ جائے۔ لکھنے کے بعد ایک بار اور اصل مضمون پر نظر ڈال لیں کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو اس کا اندراج کر لیں۔ شروع میں بے شک یہ کام بیزار کرنے والا اور مشکل معلوم ہوگا لیکن چند ماہ گزرنے کے بعد اس کی عادت بن جائے گی، لکھنے کا بھی سلیقہ پیدا ہوگا اور اپنے قلم سے لکھی ہوئی بات زیادہ دنوں تک محفوظ رہے گی۔ خاص خاص عناوین سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث بھی مرتب طور پر ایک جگہ لکھ لیں، منتخب تعبیرات، اشعار، ضرب الامثال، محاورے، تاریخی واقعات، اہم نکات اور فوائد بھی لکھیں، سب کچھ تفصیل سے لکھنا ضروری نہیں، اگر ضرورت ہو تو تفصیل سے لکھیں، ورنہ انتخاب، اختصار اور اشارہ کافی ہے۔ کسی تقریر کی تیاری کے لیے، کسی خاص عنوان پر مضمون و مقالہ لکھتے وقت، درس و تدریس کے موقع پر یہ حاصلِ مطالعہ آپ کا کام چٹکیوں میں آسان کر دے گا۔

(۳) علوم و فنون کی مختلف اقسام، بے شمار شاخیں اور کثیر انواع ہیں۔ ہمارا وقت محدود اور یہ سلسلہ علم غیر محدود ہے، اس لیے ان سب پر تفصیلی مطالعہ ممکن نہیں لیکن اجمالی طور پر ہی سہی کوشش کریں کہ متعدد علوم و فنون سے کسی حد تک واقفیت حاصل ہو جائے۔ یہ تو اجمالی مطالعہ کی بات ہے جس کا اپنا فائدہ ہے مگر ہمارا

اصل مقصود اور مطمحِ نظر وہ مطالعہ ہے جو ایک یا زائد موضوع پر تفصیل اور تحقیق کے ساتھ ہو۔ مطالعہ کرتے وقت اس بات کا بخوبی لحاظ رکھیں کہ ہمارا مطالعہ منتشر اور بے ترتیب نہ ہو بلکہ ایک خاص جہت اور سمت میں ہو۔ ایک موضوع اور ایک خاص سمت میں آپ کا مطالعہ مرتب، مفصّل اور محقّق ہونا چاہیے۔ یہ زمانہ تخصص (Specialisation) کا زمانہ ہے، کسی ایک فن میں آپ کو بھی مہارت وتخصص حاصل کرنا چاہیے۔ اولاً اپنی پسند کے موضوع اور فن کو پہچانیں پھر مداومت کے ساتھ اس کا مطالعہ جاری رکھیں، یہاں تک کہ آپ کو اس میں ملکہ حاصل ہو جائے، وہ فن آپ کی شناخت بن جائے اور اس عنوان پر آپ کو درجہ سند واعتبار حاصل ہو جائے۔ ہر قسم کی معیاری کتابیں پڑھیں کہ اسی سے شعور وآگہی کا کینوس وسیع ہوتا ہے مگر اپنے پسندیدہ موضوع پر دائمی ارتکاز رہے اور یہ آپ کے مطالعہ کا محور ومرکز بنا رہے۔

آخری بات! ایک اہم تنبیہ!

مطالعہ کے جہاں اتنے سارے فائدے ہیں وہیں کبھی اس کے منفی اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں، جن سے بچنا ضروری ہے۔ کچھ لوگ مطالعہ کی بنا پر خود پسندی، بے جا فخر، تکبر اور برتری کے نامناسب احساس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تھوڑا بہت پڑھنے کے بعد وہ خود کو سب سے بڑا عالم اور مدبر سمجھنے لگتے ہیں۔ دراصل اس طرح کی سوچ کا شکار اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی ہی بنائی تخیلاتی دنیا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ خود کو اس دنیا کا بے تاج بادشاہ مانتے ہیں اور ان کی ساری عمر اسی خیالی جذبہ کے زیر اثر گزرتی ہے۔ حقیقی اور سچی دنیا سے جڑا ہوا شخص علم کی لامحدود وسعتوں اور ان وسعتوں میں بسنے والے بے شمار باکمال، بے مثال اور لازوال اہل علم کو جانتا اور ان کے مقابلے اپنی ذات کے حقیقی مقام اور اپنی قدر و قیمت کو پہچانتا ہے، اس لیے کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کے کانوں میں ہمیشہ فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ کا خدائی اعلان گونجتا رہتا ہے جس کی بنا پر نفس کی سرگوشیاں اس کی سماعت میں خلل انداز نہیں ہوتیں۔ لہٰذا مطالعہ کرتے وقت خود کو تکبر جیسے گناہ سے بچائیں، علمی برتری کے نشہ میں مبتلا نہ ہوں، صاف نیت اور گہری نظر کے ساتھ دیکھیں تو آپ کو کائنات علم میں اپنی ذات ایک حقیر ذرہ کے برابر معلوم ہوگی۔ جب کبھی محدود اور فانی علم والا انسان اپنے علم پر فخر کرتا ہے تو فی الواقع اپنی کم علمی پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتب بینی کی لذت سے آشنا کر دے، کتابوں کی دنیا کا اسیر بنا دے اور علم وعمل کی سیدھی راہ پر ہمارے قدم جما دے۔ آمین یا ربّ العالمین

(پہلی قسط)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا مسلکِ طریقت

جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
ڈاکٹر ذاکر حسین کالج، دہلی

حضرت الامام المحدث انور شاہ کشمیریؒ جامع کمالات اور یگانۂ روزگار بزرگ تھے۔ ان میں فقہِ حدیث کا وہ غیر معمولی ملکہ ودیعت ہوا تھا جو کچھ منتخبان روزگار ہی کے حصے میں آتا ہے، اس لئے انہیں فقیہ محدث کہا جاتا ہے، لیکن ان کی ایک انفرادی حیثیت یہ بھی ہے کہ وہ فقیہ صوفی تھے اور حضرت گیسو درازؒ (ف ۸۲۵ھ) نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ: ''جان صالح اور فقیہ صوفی الشاذ کالمعدوم'' کا حکم رکھتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں کئی طویل دور ایسے بھی آئے ہیں کہ حکومت وقت کے زیر اثر شریعت اسلامیہ اپنے خالص دینوی اور تعزیری رنگ میں محدود ہوگئی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی فقہاء اور متصوفین کی راہیں الگ الگ نظر آتی ہیں حتی کہ شریعت کو ''علم ظاہر'' اور سلوک وطریقت کو ''علم باطن'' کا نام دیا گیا، گویا شریعت کو Lether of the law اور طریقت کو Spirit of the law سمجھا جانے لگا۔ ہر چند یہ اختلاف فرضی تھا اصلی نہیں، پھر بھی تاریخ کے اوراق میں ایسے علماء خال خال ہی ملیں گے جنہوں نے ظاہر شریعت کے مکمل احترام کے ساتھ میدانِ سلوک میں بھی یکہ تازی کی ہو اور اسی طرح برعکس۔

ہندوستان میں تصوف کی تخم ریزی کرنے والے صوفیائے چشت نے ''مقام شریعت'' کو خوب پہچانا تھا، ان میں اکثر صوفیاء مثلاً حضرت بابا فرید، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت چراغ دہلوی، حضرت گیسو دراز، حضرت مخدوم جہانیاں، حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے فرزندان گرامی، حضرت شاہ محبّ اللہ الٰہ آبادی، حضرت شاہ عضدالدین امروہوی اور حضرت شاہ عبدالباری رحمہم اللہ وغیرہ نے علوم ظاہری یعنی معقول ومنقول کی تکمیل اپنے اپنے زمانے کے رواجی نصاب کے مطابق کی تھی۔ اجازت وخلافت کے لئے بھی یہ حضرات علم شریعت کو ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ

کے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحدؒ نے جب حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ سے ان کے آستانے پر رہنے کی اجازت طلب کی تو شیخ نے فرمایا کہ پہلے علوم دین وشریعت کے حصول میں ہمت صرف کرو پھر یہاں آنا کیوں کہ ''درویشی بے علم راچنداں نکے نیست'' (زبدۃ المقامات،ص:۹۲)

انہوں نے شیخ کے کبر سن اور ضعیفی کے پیش نظر عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ جب میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر آؤں تو مبادا کہ یہ گرامی صحبت نہ ملے۔ارشاد ہوا کہ اگر میں نہ رہوں تو میرے بیٹے شیخ رکن الدین سے رجوع کرنا اور آخر یہی ہوا۔حضرت چراغ دہلیؒ نے اپنے ملفوظات خیر المجالس میں فرمایا ہے کہ پہلی سیڑھی شریعت ہے،دوسری طریقت،تیسری حقیقت اور یہ اس لئے کہ اگر کوئی مقام حقیقت سے گرے گا طریقت میں رہے گا،طریقت سے نیچے آئے گا تو بارے مقام شریعت میں رہے گا لیکن شریعت سے ساقط ہوا تو سوائے جہنم کے اس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ غرض کہ یہ چشتی سلسلہ کے اکابر صوفیہ نے ہمیشہ ظاہر شریعت کی بالا دستی اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا ہے۔حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ پیر کا عالم صحو میں اور عالم شرع ہونا ضروری ہے تاکہ وہ نامشروع باتوں کا حکم نہ دے۔حضرت چراغ دہلی نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ''مسلک پیر حجت نمی شود دلیل از کتاب وسنت می باید'' صوفیاء کی مبارک سیرت کو غور سے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ''ہر گلے رنگ و بوئے دیگر است'' کے مصداق ان میں سے ہر ایک کی اپنی شان ہے اور ہر ایک پر نیا حال غالب ہوتا ہے۔''در محفل او مستی ہر یک ز شرابے ست''

حضرت کشمیریؒ کی سیرت اور سوانح کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہوا کہ بظاہر وہ عالم یا فقیہ، متکلم،محدث یا مفسر،معلم اور مبلغ تھے لیکن ان کا قلب اسرارِ الٰہی کا گنجینہ،انوارِ حقائق کا ایسا منبع تھا جس پر انہوں نے علم ظاہر کے پردے ڈال رکھے تھے کہ اہل محفل کی نگاہیں خیرہ نہ ہوں۔شاید **العلم حجاب الاکبر** کا ایک مفہوم یہ بھی ہو۔وہ یقیناً ایک صوفی صافی،صاحب عرفان اور نسبت عالیہ رکھنے والے سالکین طریقت میں سے تھے۔عالم اور معلم دنیا میں لاکھوں ہوتے ہیں لیکن امام غزالیؒ کی مانند ان کے علم میں جو خیر و برکت تھی،جو انوار تھے،جو افادہ اور اخلاص اور تاثیر تھی یہ صرف ان کی نسبت عالیہ کا اعجاز ہے۔غالبؔ کے ایک قطعے کو ذرا سے تصرف کے ساتھ پڑھتا ہوں:

گر چہ عالمانِ فیض آثار ☆ ز یک جام اندر بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں ☆ خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اطوار ایں قوم ☆ ورائے علم ہم چیزے دگر ہست

یہ ''خمار چشم ساقی'' اور ''چیز دگر'' انہیں شریعت،طریقت اور حقیقت کے اعلیٰ ترین سرچشموں سے ملی تھی۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا خاندانی سلسلہ حضرت شیخ مسعود نوریؒ سے ملتا ہے۔ یہ گویا سہروردی کرمانی نسبت ہے جو ان کے خمیر میں شامل تھی، پھر انہیں ابتدائے حال میں میاں نظام الدین نقشبندی مجددی کی مختصر صحبت نصیب ہوئی مگر غالباً اُن سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔

انہوں نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد ۱۳۱۴ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی۔ (الانور،ص:۱۰۱)

اور خلافت سے بھی یقیناً سرفراز ہوئے ہوں گے۔ اگرچہ تذکرۃ الرشید میں جہاں مولانا گنگوہی کے خلفاء ومجازین کا ذکر ہے ان میں مولانا کشمیریؒ کا نام نہیں ملتا لیکن اس کا سبب یہی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اخفاء فرمایا اور مؤلف تذکرہ کو کسی دوسرے ذریعہ سے علم نہ ہوسکا۔ خلیفۂ مجاز ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اگر اجازت نہ ہوتی تو خود حضرت مولانا کشمیریؒ کسی سے دست ارادت قبول نہ کرتے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ ''شیخ الہند کے وصال کے بعد میں نے اور جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتی اعظم پاکستان نے بھی ساتھ ہی ساتھ حضرت ممدوح کی طرف رجوع کیا۔ ہمیں طریق چشتیہ کے مطابق اذکار تلقین فرمائے اور ہم اس میں کھلی تاثیر اور تصرف محسوس کرتے تھے۔'' (الانور،ص:۲۸۱)

مولانا کشمیریؒ نے اپنے روحانی احوال کا بہت شدت کے ساتھ اخفاء کیا ہے صرف صاحبانِ حال ہی ان کے مقامات سنیہ کی رفعتوں کا کچھ ادراک کرسکتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی شخصیت میں انوار وبرکات کا ایسا وفور ہے کہ ہم جیسے عامی اور اعمیٰ بھی بہت کچھ دیکھ رہے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی اپنی شان تھی، وہ بھی تصوف میں سرتاسر رنگے ہوئے تھے اور ان پر چشتی نسبت پوری طرح مستولی تھی۔ مگر انہیں ظاہر شریعت کے حفظ وحمایت کا اتنا خیال تھا کہ بعض امور میں انہوں نے اپنے پیر ومرشد شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی اختلاف کیا اور ان کے فیصلہ ہفت مسئلہ کو قبول نہیں کیا۔ حالاں کہ طریقت میں ارادت ''متابعتِ کاملہ'' کا نام ہے اور اس رزم کو مولانا گنگوہیؒ یقیناً ہم سب سے زیادہ جانتے تھے مگر حاجی صاحبؒ نے ان جزوی اختلافات کے بارے میں فرمایا کہ:

''فقیر تو آپ کے سب اقوال کو موافق شرع جانتا ہے، اگرچہ بعض مسائل میں موافق نہ سہی اور اس اختلاف کو صحابہ کا اختلاف سمجھتا ہے۔'' (تذکرۃ الرشید)

حضرت حاجی صاحبؒ نے ابتداء میں شاہ نصیر الدین آفاقی نقشبندی دہلوی سے بیعت کی تھی مگر مجھے اس کا کہیں حوالہ نہیں ملا کہ انہیں نقشبندی سلسلے میں خلافت بھی ملی تھی۔ حضرت حاجی صاحب نے ہزاروں لاکھوں تشنگانِ معرفت کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کیا، انہیں سلسلۂ چشتیہ صابریہ، قدوسیہ ہادویہ ہی میں

بیعت کیا اور جن حضرات کوخلافت عطا فرمائی یا کچھ اوراذ کار تلقین کئے وہ بھی سب چشتی سلسلے ہی کے تھے۔

حضرت کشمیریؒ نے ابتداء میں کچھ اوراد و وظائف سہروردی کرمانی سلسلے کے بھی پڑھے تھے جو انہیں اپنے والد ماجدؒ سے پہنچے تھے لیکن مولانا گنگوہیؒ نے جو اوراد انہیں تعلیم کئے تھے وہ طریق سلف سے ملنے والے خالص چشتی اذکار ہی تھے۔

اختلافی مسائل

ہندوستان کے علمائے احناف میں بعض فروعی مسائل پر جن اختلاف کو افتراق کا سبب بنایا گیا ہے ان میں حضرت شاہ صاحب کا رویہ ایسا تھا جو ان کے رتبے کے عالم دین کے شایانِ شان کہا جاسکتا ہے۔ مقدمہ بہاولپور کی شہادت میں قادیانی وکیل نے جرح کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''علمائے بریلی علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علمائے دیوبند علمائے بریلی پر'' حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''جج صاحب احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گذارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔ علمائے دیوبند اور علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہائے حنفیہ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمۂ کفر کسی شبہ کی بنا پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے۔'' (انور، ص:۴۸۵)

ان فروعی اختلافی مسائل میں ''قیام میلاد'' کا سوال بھی تھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر یا دعا کے طور پر ہاتھ اٹھا کر حضور رسالت مآب ابي وامي فداه کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے اس مدح میں یہ فرمایا: ''بھائی مجھے تو اس میں لطف آتا ہے'' یعنی نہ جواز کا فتویٰ دیا نہ عدم جواز کو قبول کیا، یہیں کشمیر میں بھی کسی نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ صلوٰۃ وسلام کے وقت ہم اپنے ہاتھوں کو نماز کی طرح ادب سے باندھیں گے یا بصورتِ دعا دونوں ہاتھ پھیلائیں گے؟ حضرت نے جواباً فرمایا کہ ادب سے ہاتھ باندھو تو عینِ ادب ہے۔ پھر مولانا عارف رومیؒ کا یہ شعر زبان پر لائے:

کردم از عقل سوالے کہ بگو ایمان چیست ☆ عقل در گوشِ دلم گفت کہ ایمان ادب است

خاص کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ادب کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے:

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ☆ ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

اور فرمایا کہ اگر کوئی دعا کی نیت سے ہاتھ اٹھائے تو اَلصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ دُعَاءٌ یعنی سرور کائنات ﷺ پر درود پڑھنا دعاء ہے۔ (الانور، ص:۶۳۷، ۶۳۸)

سید مبارک شاہ گیلانی صاحبؒ کہتے ہیں کہ ارواحِ اولیاء کے استمداد کے بارے میں میرا عقیدہ کچھ مشتبہ تھا۔ شاہ صاحبؒ سے سوال کیا تو فرمایا: ''بچہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے، **انما الاعمال بالنیات** اگر عقیدۃً اور حقیقتاً انبیاء اور اولیاء سے استمداد کیا جائے تو کفر ہے۔'' (الانور، ص: ۶۳۷)

اب میں مولانا کشمیریؒ کے چند احوال واشغال بیان کرتا ہوں جن کا تعلق سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی نسبت سے تھا

۱- اسم ذات اور پاس انفاس

حضرات چشتیہ کا خاص وظیفہ ''اسم ذات'' ہے۔ اس کا دور ایک کروڑ بار ورد کرنے سے پورا ہوتا ہے اور اس کی خاصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ اسم اللہ قلب پر منقوش ہو جاتا ہے، اسرار توحید منکشف ہو جاتے ہیں اور ماسویٰ سے قلب کو کسی طرح کی رغبت نہیں رہتی۔ اس کے اثر سے سالک صرف لقائے حق کا خواستگار ہو جاتا ہے اور **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ** ایسے ہی مجاہدوں اور مشتاقوں کی شان ہے۔ یہ ذکر بھی حدیث سے مقتبس ہے **لا تقوم الساعة حتى يقال فى الارض الله الله**. حضرت کشمیریؒ نے ایک بار لدھیانہ میں وعظ کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ عالم کی روح ذکر اللہ ہے، جب تک اللہ کی یاد قائم رہے گی عالم باقی رہے گا، جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھ لو کہ کوچ کا وقت آ گیا۔ (الانور، ص: ۴۳۰)

اس کے بعد پاس انفاس کا ورد ہوتا ہے۔ اس میں کلمہ طیبہ کے نفی واثبات کو سانس کی آمد وشد میں بسا لیا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ ایسی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ زندگی بھر ہر سانس کے ساتھ ذکر ہوتا رہتا ہے۔ حبس دم اور پاس انفاس کا طریقہ جوگیوں میں بھی ہے اور اسے ہندوستان کے اکابر صوفیہ نے مفید جان کر اختیار کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کشمیریؒ سلوک کے ابتدائی دور میں اس مرحلے سے گزر گئے تھے۔ کبھی حضرت وقفے تک خاموشی اختیار کئے رہتے تو آپ کے تنفس کی منضبط کیفیت سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ پاس انفاس کے شغل میں برابر مشغول ہیں۔ (الانور، ص: ۳۲۷)

مولانا محمد منظور نعمانی کی روایت ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا ''اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے لیکن یہ بھی کچھ نہیں اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے۔'' (الانور، ص: ۳۲۵)

یہ آخری جملہ خاص طور پر حضرت کشمیریؒ کے ذوق اور مشن کا آئینہ دار ہے۔

احسانی کیفیت کیا ہے؟ ایک حدیث میں اس کی تشریح یوں آئی ہے: ''**ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك**'' یعنی اگر دونوں طرف سے رابطہ قائم ہو جائے تو سبحان اللہ، ورنہ ایک

طرف رابطہ سے ہی عبادت بااخلاص جاری رکھے، جو خدا کو نہ دیکھ کر بھی اس کی عبادت اس طرح کرے گا گویا خدا اسے دیکھ رہا ہے وہ اس حدیث کی رو سے ''محسن'' ہے اور قرآن کہتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْن. جس نے بے دیکھے اور بے لاگ عبادت کی گویا احسان کیا، یہ توقع نہ رکھی کہ اس کا صلہ واقعی کچھ ملے گا یا نہیں۔ اللہ اس کا صلہ ضائع نہیں کرے گا۔ وعدۂ الٰہی یہ ہے کہ ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانِ یعنی جس بندے نے صلہ کو جانچے پرکھے بغیر ہماری عبادت کی ہوگی اس کی جزاء بھی یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی عبادت کو ان کے تولے بغیر اجر دیا جائے۔

میری ناقص رائے میں احسان کی کیفیت میں عوض معاوضہ والی بات نہیں ہے بلکہ یک طرفہ اور بے طمع نیکی ہے ''طاعت میں تا رہے نہ مئے وانگبین کی لاگ الخ'' اسی لئے وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا فرمایا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کی طرف سے اگر اچھا سلوک نہ بھی ہو تو اولاد ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

احسان کے ساتھ دوسری کیفیت حضرت کشمیریؒ نے ''استقامت'' فرمائی ہے، یہ بھی احسان ہی کا دوسرا نام ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے ایک خلیفہ نے عرض کیا کہ خلق خدا کرامت کی طلب گار رہتی ہے تو آپ نے فرمایا: **الکرامة ھی الاستقامة علی باب الغیب** یہ ''استقامت علی باب الغیب'' ''احسان'' نہیں تو کیا ہے؟ اس سے منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ احسانی کیفیت بجائے خود کرامت ہے۔

مراقبہ اسم ذات

حضرت کشمیریؒ کی زبان مبارک دن بھر درس حدیث میں قال اللہ اور قال الرسول کا ورد کرتی تھی۔ یہ بھی ایک ذکر ہی تھا علی الدوام ذکر۔ لیکن مراقبہ کو صوفیہ نے مشاہدہ و معائنہ کی پہلی سیڑھی بتایا ہے۔ ذکر سے سامعہ اور ناطقہ لطف اندوز ہوتے ہیں مگر مشاہدہ و فکر کا ذوق مراقبہ میں ہے۔ حضرت کشمیریؒ جب اپنے حجرے میں تنہا ہوتے تو وہ مشغولیت کا دوسرا ہی عالم ہوتا تھا۔

ملنے والو پھر ملے گا وہ ہے عالم دیگر میں ☆ میر فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

آپ تہجد کے لئے رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر کے وقت تک مراقبہ اور پاس انفاس میں مشغول رہتے تھے۔ (الانور، ص:۴۷۹)

نماز فجر کے بعد سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے تک وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہوتے اور یہ سب

معمولات اسی طرح سلسلۂ چشتیہ صابریہ ہادویہ کے بزرگوں کے بھی رہے ہیں۔

حالت مراقبہ اور مشغولی کا بیان آپ کے شاگرد نے اس طرح کیا ہے:

''احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرمارہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں حالاں کہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔'' (الانور،ص:۴۷۹)

تعویذ اوراد عیہ

بزرگانِ طریقت کی طرح حضرت کشمیری عندالضرورت کسی طالب کو کوئی وظیفہ یا دعا بھی پڑھنے کے لئے تجویز کرتے تھے، یہ اکثر ماثور دعائیں ہوتی تھیں۔

ایک بار حافظ ابوزرعہ کی روایت نقل کی کہ جرجان میں ہزارہا گھر آگ لگنے سے جل گئے اور قرآن بھی جلے مگر ان میں بعض آیات نہیں جلیں اور ان آیتوں کے لئے فرمایا کہ اگر انہیں لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دکان یا گھر یا سامان میں رکھیں تو حفاظت کے لئے مجرب ہے۔(الانور،ص:۴۳۲)

اسی طرح کسی لاعلاج مرض کے لئے فرمایا کہ ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو مفید ہے۔(الانور،ص:۴۳۲)

شمائم امدادیہ میں حضرت شاہ عبدالباریؒ کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ آپ نے کسی کو یہ الفاظ بطور تعویذ لکھ کر دیئے تھے۔''چل اڑ جاری بھنبھیری ساون آیا''

حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں ایسا ہی چٹکلہ ان کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ صاحبؒ نے بیان کیا کہ چیچک کے بخار میں مریض کے کان میں یہ الفاظ کہنے کو فرمایا۔

اوراد: اوراد میں **حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل** ہمہ وقت زبان پر جاری رہتا تھا۔اٹھتے بیٹھتے زبان سے **حسبنا اللّٰہ** ہی نکلتا تھا۔یہ خود آپ کے مقام فروانیت پر پہنچ جانے کی دلیل ہے۔ایسی روایات کثرت سے ملتی ہیں اور بحمداللہ ابھی اس کے شاہدین بھی زندہ ہیں کہ آپ ضخیم کتاب سے ایک یا آدھی سطر کا حوالہ بھی **حسبنا اللّٰہ** کہہ کر فوراً نکال لیتے تھے۔اسی سلسلۂ عالیہ کے بزرگ حضرت شاہ عضدالدین امروہوی (متوفی ۱۱۷۲ھ) کی ایک تصنیف ''مقاصد العارفین'' فن سلوک میں بے مثل کتاب ہے اور شیخ اکبر کے افکار اور اسلوب کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔اس میں حضرت شاہ عضدالدین نے اسمائے صفات کی تجلیات سے بھی بحث کی ہے اور تفصیل سے بتایا ہے کہ سالک پر مختلف اسماء کس طرح متجلی ہوتے

ہیں۔میرا خیال ہے کہ حضرت کشمیریؒ حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل کے باقاعدہ عامل تھے اور یہ اسم یا وکیل کی تجلی تھی یا باصطلاح دیگر اسی اسم کے مؤکل آپ کے تابع تھے، کیوں کہ بعض مواقع پر تو اسی حسبنا اللّٰہ نے بدیہی کرامت دکھادی ہے۔(روایات کی نقل سے بخوف طوالت پرہیز کرتا ہوں)

قوتِ مکاشفہ

خطرات پر آگاہ ہونے کی قوت یا کشفی صلاحیت بہت ہی ادنیٰ درجہ ولایت وکرامت کا ہے اور اکابر صوفیہ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ جیسے دُردی کش میخانہ شریعت وطریقت کے احوال میں مکاشفات کی مثالیں تلاش کرنا کوئی خاص قابل اعتناء بات نہیں ہے۔ذاکر وشاغل اور حق آگاہ درویش پر تو کبھی ایسے لمحات بھی گزرتے ہیں کہ اسے یہ سارا عالم کف دست پر رکھے ہوئے انڈے کی طرح نظر آتا ہے۔

کرامات امدادیہ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کی، ان کے ایک ملنے والے نقشبندی مجددی سلسلے کے مجاز تھے اور وہ چاہتے تھے کہ یہ میرے ذریعے سے داخل سلسلہ ہوں، اس لئے ان کے دل میں سلسلہ چشتیہ کی طرف سے سستی اعتقاد پیدا کرنا شروع کردیا اور یہ کہا کہ اس سلسلے میں سلوک ختم ہی نہیں ہوتا، عمر بھر کشف نہیں حاصل ہوتا کچھ نظر نہیں آتا۔مولوی صاحب چوں کہ مشائخ کی صحبت میں کم بیٹھے تھے، کسی قدر اعتقاداً سست ہوگئے۔مولانا تھانویؒ نے ان کا حال بیان کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کشف کوئی چیز نہیں، لڑکوں کو ہوجاتا ہے۔کشف حقائق اہل حقیقت کے نزدیک معتبر ہے۔(کرامات امدادیہ، ص:۱۳)

جو لوگ حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت کیمیا خاصیت سے بہرہ اندوز ہونے کی سعادت رکھتے ہیں انہوں نے اس قوت مکاشفہ کے ہزاروں کرشمے دیکھے ہوں گے، ایک واقعہ مولانا محمد انوری لائل پوری نے لکھا ہے کہ:

''حضرت شاہ صاحبؒ نے آسٹریلین بلڈنگ (لاہور) کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا۔علماء، فضلاء، عوام وخواص بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوئے تھے۔بیان تھا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، مالک تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو۔غرض حضرتؒ نے خطبہ شروع فرمایا: **الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہ** وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرمار ہے تھے۔احقر کے دل میں وسوسہ سا گذرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوئے ادب ہو۔حضرت نے فوراً خطبہ بند کردیا، فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک سائل کے جواب دینے کے لئے حضور ﷺ کے لئے مدینہ کے

بازار سے کرسی لائی گئی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے، غالبًا لوہے کے تھے۔ مصلیٰ کے قریب رکھی گئی، حضور ﷺ نے اس پر بیٹھ کر جوابات دیئے۔''

یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرما کر حضرت نے وعظ کیا۔ احقر ندامت سے پسینے پسینے ہوگیا۔''

(الانور، ص: ۲۱۳، ۲۱۴، ۴۸۰)

یہ تو ''کشف قلوب'' کا عالم تھا۔ دوسری نوعیت یعنی ''کشف قبور'' کی مثال بھی سن لیجئے۔ جناب سید نبیہ احمد اندرابی کی روایت ہے:

''خانقاہ اندرابیہ (واقع سری نگر) میں پہلی مرتبہ غالبًا عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز پڑھا کر دعاء کے لئے قوم کی طرف منہ کیا مگر پیٹھ ذرا جنوب کی طرف مائل تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد پوری طرح قوم کی طرف منہ کر کے پشت بقبلہ ہو کر بیٹھ گئے۔ دعاء سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے دریافت فرمایا کہ ادھر جنوب کی طرف کون بزرگ مدفون ہیں؟ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ سید السادات شیخ سید میر محمد میرک اندرابیؒ کا مزار پرانوار ہے۔ اس کے بعد کبھی اس کی طرف پیٹھ کر کے نہیں بیٹھے۔''

کشف حقائق

مجاہداتِ سلوک کیا ہیں، دقائقِ حقائق کی راہوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا شاہ صاحبؒ کی پوری زندگی ریاضت اور مجاہدہ تھی، انہوں نے زیادہ تر اپنے مجاہدات کو مخفی رکھا، لیکن فتنۂ قادیانیت کی تردید اور استیصال کے لئے تو وہ ایک مزمن بیماری اور عالم ضعیفی کے باوجود باہمت نوجوانوں کی طرح میدان میں کود پڑے تھے۔ خدا کے فضل سے جہاد ظاہری کی فضیلت سے بھی محروم نہ رہے۔

اسرارِ شریعت کچھ بھی ہوا کریں لیکن بحیثیت ایک محدث، مفتی اور فقیہ کے ان کا فرض یہ تھا کہ ظاہر شریعت کی حمایت وحفاظت کریں مگر انہوں نے کبھی اہل تصوف کے خلاف کوئی ادنیٰ سا کلمہ بھی استخفاف کا اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ شریعت وطریقت کی ایک بحث مقدمہ بہاولپور کی گواہی میں سخن گسترانہ طور پر آن پڑی تھی تو آپ نے فرمایا:

''ہم سمجھتے ہیں کہ ظاہر قرآن کی مراد وہ ہے جو قواعد لغت اور عربیت اور ادلہ شریعت سے علمائے شریعت سمجھ لیں اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور باطنی سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے ممتاز بندوں کو ان حقائق سے سرفراز کر دے اور بہتوں سے وہ خفی رہ جائیں لیکن ایسا کوئی باطن جو مخالف ظاہر کے ہو اور قواعد

شریعت اس کو رد کرتے ہوں مقبول نہ ہوگا اور رد کیا جائے گا اور بعض اوقات باطنیت الحاد تک پہنچا دے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہم مکلّف فرماں بردار بندے اپنے مقدر کے موافق ظاہر کی خدمت کریں اور باطن کو خدا کے سپرد کردیں۔'' (الانور،ص:۴۶۴)

اسی شہادت میں حضرت کشمیریؒ نے یہ چیلنج بھی کردیا تھا کہ صوفیائے کرام جسے فن حقائق کہتے ہیں (مرزا غلام احمد قادیانی) اس میں سے کسی حقیقت کو صحیح نہیں سمجھ سکا۔ (الانور،ص:۴۵۶)

کاش کسی نے ''فن حقائق'' کے موضوع پر شاہ صاحب کو چھیڑ دیا ہوتا تو آج کشف المحجوب، رسائل قشیریہ یا عوارف المعارف جیسی کوئی اور کتاب بھی ہمارے ہاتھوں میں ہوتی۔

توحید وجودی

چشتی صوفیہ کے سلوک میں ''کشف حقائق'' کا مرتبہ حاصل ہوجائے تو عقیدۂ وحدت وجود پر کامل شرح صدر ہوجاتا ہے۔ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کو مولی قلندر جلال آبادی نے ابتداء میں ہی بشارت دی تھی کہ تم پر توحید خوب منکشف ہوگی۔ اسی لئے خدا نے ان کا پیوند بھی حضرت شاہ عبدالباری کی خانقاہ سے کردیا جو اپنے مسلک وحدت وجود میں بے مثل تھی اور جہاں عبدالرحمٰن موحد لکھنوی جیسے بزرگ بھی کچھ سیکھنے کے لئے آکر رہتے تھے۔

ہندوستان میں توحید وجودی کا مذاق حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف کے ساتھ آیا تھا۔ آٹھویں صدی ہجری میں ''فصوص الحکم'' کی پہلی شرح اسی سرزمین کشمیر میں حضرت میر سید علی ہمدانیؒ (ف ۷۸۶ھ) نے لکھی تھی۔ (خلیق احمد نظامی، تاریخی مقالات،ص:۲۵)

فارسی شرح کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے، عربی شرح ناپید ہوگئی۔ اس کے بعد ہندوستان میں عربی فارسی دونوں زبانوں میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کی متعدد شرحیں اور ترجمے آئے جن کی تفصیل حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کی کتاب الثقافة الاسلامية فى الهند میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کے بزرگوں میں گلزار ابرار کی روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے شرح فصوص الحکم لکھی تھی لیکن حضرت شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی (ف ۱۰۵۸ھ) نے تو ہندوستان مین ابن عربی کے افکار کو عام کرنے میں غیر معمولی رول ادا کیا ہے۔ انہوں نے مسئلہ وحدت الوجود کے دقائق و اسرار کو عارفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ داراشکوہ بھی ان کی خدمت میں استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تھا۔

❀……✦……❀

قسط (۵)

ہندوستان میں
اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی

علامہ سید سلیمان ندویؒ

سندھ میں مسلمان پہلی صدی کے آخر میں یعنی آٹھویں صدی عیسوی کے بالکل شروع میں آئے اور ہندوستان سے بدھ مت کا پورا زوال نویں صدی میں اور اس کے بعد ہوا ہے، ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان میں بدھ مت کا زوال ویدک دھرم کے پرچار سے زیادہ اسلام کی فتوحات اور اس کی تبلیغ واشاعت سے ہوا ہے، مسلمان جب بنگال پہنچے تو وہاں ویدک دھرم نہیں بودھ مذہب تھا اور اسی طرح سندھ کا وسیع علاقہ مسلمانوں کے داخلہ کے وقت برہمنوں کا نہیں، بودھ مت کا پجاری تھا، ہم کو وہاں بودھ پور کا نام ایک شہر ملتان ہے، نو ویہار نام سے ایک خانقاہ یا معبد ملتا ہے، جو خاص بودھ لوگوں کی خانقاہ اور دارالتعلیم کو کہتے ہیں اور ان کے پجاریوں کا نام ہم ''سمنی'' سنتے ہیں جو خاص بدھ علماء کا لقب تھا اور جو برہمن کے حریف مقابل تھے، الیٹ صاحب بھی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:

> ''چوں کہ بودھ مت سندھ میں اس وقت مسلمہ طور پر رائج تھا جب مسلمانوں کو پہلے پہل ہندوستانی توہم پرستی سے سابقہ پڑا، اس لئے لازمی طور پر اس نام (بد) کا ماخذ لفظ بدھ ہے، نہ کہ فارسی لفظ بد (بت) جو کہ غالباً خود بھی لفظ بودھ کی محرف شکل ہے۔ بہت سے آثار اس بات کے موجود ہیں کہ بودھ مت اس عہد میں وادی سندھ میں پھیلا تھا، نہ صرف مخصوص طور پر چینی سیاحوں کے تذکرے اور ابن خرداز بہ کا بیان اس کی تائید کرتا ہے بلکہ عرب مصنفین کے چند ضمنی اشارات وتلمیحات بھی ہیں، جن میں خاص طور پر کوئی تذکرہ برہمنوں اور بودھوں کا بحیثیت ایک دوسرے کے حریف ہونے کے نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں کا امتیاز باہمی (خصوصاً طرز عبادت، ایصال ثواب، قصص مذہبی) عام طور پر اس قدر نازک ہے کہ ناواقف اور مغرور

بدیسیوں کی توجہ مشکل سے ادھر منعطف ہوسکتی تھی، چنانچہ جہاں کہیں پجاریوں کا تذکرہ ہے عموماً ان کو ''سمنی'' کہا گیا ہے، سلطنت کا ہاتھی سپید ہوتا تھا، جو ایک نہایت معنی خیز بات ہے، ایک ہزار برہمن (پجاری) جس نام سے کہ ان کا عربی کتابوں میں تذکرہ ہے اور جو چاہتے تھے کہ اپنے قدیم مذہبی معتقدات اور رسم ورواج کو قائم رکھیں، ان کو محمد بن قاسم نے خلیفہ وقت کی اجازت سے فرمان دیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں کشکول لے کر صبح کو دربدر پھر کر اپنی روزی حاصل کریں اور یہ ایک مخصوص مذہبی رسم ہے جو بدھ پجاریوں میں جاری ہے اور سب سے آخر یہ کہ مجسمے بنا کر یا کسی اور طور پر اپنے فاتحوں کی جسمانی یادگار قائم کرنا یہ تمام امور بدھوں کے خصائص طبعی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، نہ کہ برہمنوں کی طرف۔ ان اثباتی دلائل کے علاوہ منفی شہادت بھی اس امر سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی تذکرہ ستی، جنیو، گئو پوجا، اشنان، یا نہان، ہون، پجاریوں کے ہتھکنڈوں اور دوسرے پیشوایانہ تحکمات، جوگیانہ نفس کشی، یا دیگر رسوم واعمال جو برہمنی مذہب کی خصوصیات ہیں، ان تحریرات میں نہیں ہیں۔'' (الیٹ، ص: ۵۰۶،۵۰۴ طبع شدہ ۱۸۶۷)

اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ اہل سندھ اس قدر روادار، بے تعصب، علوم وفنون میں ماہر، سیر و سیاحت اور دوسری قوموں سے ملنے جلنے میں کیوں اس قدر آزاد تھے، بغداد کے دربار میں جو حکماء تھے وہ یقیناً یہی سندھ کے بودھ مت والے تھے اور یہی ایران تک تھے، سندھ اور ایران بری اور بحری دونوں راستوں سے باہم قریب قریب ہم سرحد ہیں، اسی لئے سندھ کے راجاؤں اور ایران کے بادشاہوں میں آپس میں لڑائیاں جاری رہتی تھیں، کبھی یہ ان پر حملے کرتے رہتے تھے اور کبھی وہ ان پر حملہ آور ہوتے تھے، کبھی بلوچستان اور مکران کے علاقے سندھ میں شامل ہوجاتے تھے اور کبھی سندھ کی سرحدیں سلطنت کسریٰ کے حدود میں آجاتی تھیں، اس تعلق سے ایران کی فوج میں سندھ کی متعدد قومیں سپاہیانہ خدمات انجام دیا کرتی تھیں، ان میں تین قوموں کے نام آتے ہیں، اساورہ، سیابچہ اور زط۔ زط تو جاٹ ہے، اساورہ شاید کہ سوار کی جمع ہو اور سیابچہ، سیاہ بچہ (کالا) کی شاید خرابی ہو، بہرحال اساورہ کی قومیت کا حال یقینی طور سے نہیں معلوم، مگر سیاہ بچہ اور جانوروں کے ساتھ ان کے میل جول اور خلا ملا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی شاید سندھ ہی کے رہنے والے ہوں اور خصوصاً اس بناء پر کہ یہ عربوں اور ایرانیوں کی لڑائی میں یہ ایرانیوں سے الگ ہو کر مسلمانوں کے شریک حال ہوگئے تھے۔

بہرحال سندھی قوموں میں سب سے پہلے جاٹوں میں اسلام پھیلا ہے، یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تو نومسلم جاٹ اپنا بودھ مذہب چھوڑ کر عراق جا کر بسنے لگے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو کوفہ

میں رہا کرتے تھے وہ ایک روایت میں کہتے ہیں کہ "ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو صورت شکل میں بالکل جاٹ معلوم ہوتے تھے۔" (ترمذی، ابواب الامثال)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے غالباً ۲۲ھ کے قریب وفات پائی ہے۔

یہ قبائل چوں کہ یزدگرد شاہ ایران کی فوج میں تھے، اس لئے ان کو مسلمانوں کے دیکھنے اور ملنے کا بکثرت اتفاق ہوا ہوگا، یزدگرد کے مقابلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسلمانوں کی فوج لئے پڑے تھے کہ سیاہ (کالا، شاید ہندوستانی پہلے بھی کالے کہلاتے ہوں) نے جو اسواری تھا اور اپنی جماعت کا سردار تھا، اسلام کی کامیابی اور کمک کو دیکھ کر حضرت ابوموسیٰؓ کو یہ پیغام بھیجا کہ "ہم لوگ بھی تمہارے مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ہم تمہارے دشمن ایرانیوں سے تو تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے لیکن اگر تم میں خود باہم لڑائی ہو تو فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دیں گے اور اگر عرب ہم سے لڑیں تو ہماری حفاظت تم پر فرض ہوگی اور ہم کو مدد دینی ہوگی، نیز ہم کو اجازت ہوگی کہ ہم جہاں چاہیں قیام کریں اور جس قبیلہ سے چاہیں اتحاد کرلیں اور ہمارے وظائف اعلیٰ درجہ کے ہوں گے۔"

حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ ہم نومسلموں کے لئے صرف ایک ہی شرط جانتے ہیں کہ ان کے اور تمام مسلمانوں کے حقوق ہر طرح برابر ہوں گے لیکن انہوں نے اس مجمل شرط کو قبول کرنے سے انکار کیا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو کہلا بھیجا کہ "ان کی سب شرطیں مان لی جائیں" چنانچہ اس کے بعد یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ آ کر مل گئے اور انہی کے ساتھ سیاہ بچ اور جاٹ لوگ بھی شریک ہوگئے، یہ لوگ عراق میں آ کر عرب قبائل کے ساتھ مل کر آباد ہوئے اور یہ سندھی قوموں میں اسلام کا پہلا داخلہ تھا، اس کے بعد اس قبیلہ کے اور لوگ جو سواحل پر مویشی چراتے تھے وہ مسلمان ہوگئے۔ (یہ پوری تفصیل فتوح البلدان بلاذری، باب امراء الاساورہ والزط میں مذکور ہے)

یہ سندھی قومیں چوں کہ بہادر اور جنگ جو تھیں، اس لئے اسلامی فوجوں میں ان کو خاصہ درجہ حاصل ہوگیا اور اکثر امانت اور اعتماد کی جگہوں پر ان کا پہرہ بٹھایا جاتا تھا، حضرت علیؓ کے عہد میں بصرہ کا خزانہ ان ہی سپاہیوں کی نگرانی میں تھا اور وہ حضرت علی کے طرف داروں میں تھے (دیکھو طبری) ان لوگوں نے مسلمان ہوکر اپنے نام اسلامی رکھ لئے تھے، بصرہ کی اس محافظ فوج کے سردار کا نام ابوسلمہ تھا، جو جاٹ تھا اور نہایت صالح تھا، امیر معاویہؓ نے غالباً رومیوں کے مقابلہ کے لئے عراق سے بہت سے جاٹوں اور سیاہ بچوں کو لے جاکر شام کے ساحلی شہروں میں اور انطاکیہ میں بسایا تھا اور اسی طرح ولید بن عبدالملک اموی

نے بھی اپنے عہد میں ان جاٹوں کو انطا کیہ میں لے جا کر آباد کیا تھا۔

عراق میں آبادی اور عربوں سے میل جول کے بعد جاٹ مسلمان نہ صرف سپاہی ہی رہے بلکہ ان میں سے بعض خاندانوں نے علمی ترقیاں بھی کیں، اس حقیقت کے اظہار میں کوئی شرم نہیں بلکہ یہ اسلام کے فخر کا نشان ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ جن کے پیرو آج اسلام کے بیشتر ممالک میں ہیں اور جن کی فقہ پر آج مصر و ترکی اور افغانستان کی سلطنتوں کا دارومدار ہے وہ ایک جاٹ تھے۔

(ابن خلکان ترجمہ نعمان بن ثابت، ج ۳، ص: ۱۸۴)

کیا دنیا کا کوئی مذہب اس مساوات اور رواداری کی مثال پیش کرسکتا ہے، اپنے نومعتقدوں کو یہ رتبہ اور یہ اعزاز بخش سکتا ہے کہ وہ امام اعظم کا لقب حاصل کر سکے، امام ابوحنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان فتح سندھ سے پہلے اسلام لا چکا تھا۔ بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ یہ خاندان کابل سے آیا تھا۔

مسلمانوں نے سندھ پر باقاعدہ حملہ ۹۳ھ میں شروع کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب عراق میں حجاج بن یوسف ثقفی کی گورنری تھی اور اس کے ماتحت ایران میں اس کا ہفتدہ سالہ بھتیجا محمد بن قاسم ثقفی والی تھا، اوپر گذر چکا ہے کہ عراق اور جزائر ہند کے درمیان عربوں کی تجارت قائم تھی اور ان کے جہازات سوداگری کے مال واسباب سے لدے ہوئے آتے جاتے رہتے تھے، سندھ کے سواحل بیچ کے رہ گذر تھے، ان سواحل پر خانہ بدوش قبائل آباد تھے، جو بحری ڈاکے ڈالا کرتے تھے، مالدیپ میں بعض مسلمان تاجر تھے، جو مع اہل و عیال وہاں رہا کرتے تھے، اتفاق سے ان تاجروں نے وفات پائی، مالدیپ کے راجہ نے مناسب سمجھا کہ ان کی بیوی بچوں کو عراق بھیج دیا جائے، چنانچہ مسلمان خواتین ایک جہاز پر سوار کرا کے بھیجی گئیں، جب یہ جہاز سندھ کے کناروں پر پہنچا تو سندھ کے دریائی ڈاکوؤں نے اس کو لوٹ لیا اور مسلمان خواتین کو نہایت بے رحمی سے چرا لے گئے، ان ہی خاتونوں میں سے کسی معصوم کی زبان سے یہ درد بھری چیخ نکلی ''اے حجاج! مدد'' بچے کھچے مسافر جب عراق پہنچے تو اس سانحہ کا حال حجاج کو معلوم ہوا، اس نے اسی وقت دیوانہ وار پکار کہا: ''اے خاتونوں! ٹھہرو، میں آیا۔''

اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ سامنے رکھ لو، سندھ کا برہمن راجہ چچ جو ایک بلند حوصلہ راجہ تھا، بلوچستان اور مکران پر اس نے پے بہ پے حملے کئے تھے، اسلام سے کچھ پہلے کی بات ہے، اسلام کے بعد مسلمانوں کی طرف سے ان حدود میں جو فوج معین تھی، اس میں سے ایک عرب سردار محمد علافی یا علانی نام، پانچ سو عربوں

کے ساتھ ایک مجرم کی حیثیت سے اسلامی فوج سے نکل کر راجہ چچ کے ساتھ ہو گیا تھا اور اکثر معرکوں میں اس کے ساتھ رہا اور اس وقت بھی جب اسلامی فوج سندھ کے قریب آ چکی تھی اور اب راجہ چچ کا بیٹا داہر حکمراں تھا، وہ برابر اس کے ساتھ رہا۔

غرض یہ آتش گیر مسالہ تو پہلے سے موجود تھا، ان مسلمان خواتین کے لوٹے جانے کے واقعہ نے حجاج ثقفی کو برافروختہ کر دیا، اس پر بھی اس نے ملائمت کے ساتھ راجہ داہر کو لکھا کہ ''ان مسلمان خواتین کو عزت اور حرمت کے ساتھ واپس بھیج دو'' راجہ نے یہ کہہ کر ٹالا کہ ''ان ڈاکوؤں پر میرا قابو نہیں'' ناچار مسلمانوں کو خود براہِ راست ان ڈاکوؤں کی تنبیہ کرنی پڑی، حجاج نے ایران سے محمد بن قاسم کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور ادھر سمندر کی راہ سے اس نے اسلحہ اور سامان روانہ کئے، ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملہ کے یہ اسباب ہیں، ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کو اس جذبہ سے موسوم کیا جائے کہ وہ دیوانہ وار تلواریں سونت سونت کر ہندوستان کی سرحد پر اس لئے بڑھ آئے کہ وہ ہندوؤں کو بزور شمشیر مسلمان بنا ڈالیں۔

گوالیٹ صاحب کو نظر نہیں آتا، مگر کم از کم مجھے تو سندھ کی سب سے پہلی پرانی اسلامی تاریخ جو عام طور پر چچ نامہ کے نام سے مشہور ہے (اور جس کے دوسرے نام تاریخ الہند والسند اور منہاج المسالک ہیں) کے مطالعہ سے یہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ سندھ میں بودھوں اور برہمنوں کے درمیان اختلاف اور مخاصمت برپا تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مذاہب بعض گھرانوں میں اس طرح بھی پھیلے ہوئے تھے کہ ایک بھائی ہندو ہے تو دوسرا بودھ ہے، اسی بناء پر سندھ کے راجاؤں کے حالات پڑھ کر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ راجہ چچ ہندو برہمن تھا، اس نے چھوٹے چھوٹے بودھ راجاؤں کو لڑ بھڑ کر مٹا دیا یا باجگذار بنالیا تھا۔ (چچ نامہ الیٹ، ج۱، ص:۱۴۲، ۱۵۰)

یہ راجہ آغاز ہجرت کے وقت سندھ میں فرماں روا تھا، اس کے بعد راجہ چندر اس کا بھائی راجہ ہوا، یہ بودھ مت کا پرجوش پیرو تھا اور جن لوگوں نے اپنا مذہب پہلے چھوڑ دیا تھا، ان کو بزور اس نے بودھ بنایا۔

(چچ نامہ ج۱، ص:۱۵۲، ۱۵۳)

ہندو برہمنوں نے یہ دیکھ کر سر اٹھایا، ناچار وہ معرکوں میں نکلا، مگر کامیاب نہیں ہوا، اس کے بعد چچ کا بیٹا راجہ داہر اس کی جگہ بیٹھا، یہ مجھے ہندو برہمن معلوم ہوتا ہے۔

(جاری)

ظاہری حلیہ باطن کا عکاس

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث ونائب ناظمِ تعلیمات جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

وقار وعزت وہ شے ہے، جس کے لیے انسان پوری زندگی جدوجہد کرتا ہے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے اور اب تو روز کا مشاہدہ ہے کہ لوگ تحصیلِ عزت کے لیے انسانی حدوں سے بھی گزر جاتے ہیں۔ اس کے لیے اوچھے ہتھکنڈوں سے بھی نہیں چوکتے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ کھلے بندوں حرام کے مرتکب ہیں، علانیہ شراب پیتے ہیں، غیرمحرموں سے میل جول ان کا شیوہ ہے۔ سرِ عام زنا کرتے ہیں، علیٰ رؤس الاشہاد رقص و سرود کی محفلیں سجاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ امور سراسر غلط اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ فطرت انہیں غیرمعمولی جرائم میں شمار کرتی ہے، مگر آج دنیا پرستوں اور خدا بیزاروں کے نزدیک ان کا کیسا مقام ہے! لوگ ان پر مرتے اور ان کے نام کی مالا جپتے ہیں۔ ہر بزم ان کے نام کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ انہیں آنکھوں سے لگایا جاتا اور سینے میں بسایا جاتا ہے۔ عوام ہی کیا، خواص بھی ان کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ۔ اربابِ اقتدار بھی انہیں سر کا تاج بنائے ہوئے۔ سرکاری عہدے اور مناصب ان کے لیے سہل الحصول۔ ان کا کوئی جلسہ جمِ غفیر سے خالی نہیں۔

لیکن یہ ہرگز نہ بھولئے کہ مہذب فطرت والوں کے لیے عزت ووقار کا ایک بہترین راستہ اچھا حلیہ اور عمدہ لباس ہے۔ لباس اور حلیے سے انسان کے میلانات ورجحانات خوب واضح ہوجاتے ہیں۔ ان سے اس کی تربیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لباس میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جنہیں انسان اپنے جسم سے لگائے رکھتا ہے: کرتا، پاجامہ، لنگی اور بنیان کے ساتھ ٹوپی اور عمامہ بھی اس میں داخل ہیں۔ جوتے چپل بھی، موزے اور جرابیں بھی۔ انگوٹھی اور عورتوں کے زیورات بھی، حتیٰ کہ بستر اور اس کی چادر بھی۔ تکیہ اور مسند وغیرہ بھی اسی میں شامل۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام ''کتاب اللباس'' کے ذیل میں وہ ساری حدیثیں بیان کرتے ہیں جن میں ان اشیاء کا تذکرہ ہے۔

لباس اور ظاہری وضع قطع سے انسان کا مزاج ومذاق ہی نہیں، اس کا دین ومذہب اور علم ودانش بھی آشکارا

ہوتی ہے۔ دھوتی اور زعفرانی کپڑے اہلِ اصنام کا لباس ہیں تو زناران کی مخصوص علامت۔ یہود اپنی خاص وضع سے متعارف ہیں۔ عیسائی دیگر شناختوں کے ساتھ اپنی صلیب نہیں بھولتے۔ قادیانیوں کا اپنا علحدہ پیرہن اور امتیازی طرز ہے۔ بوہرہ کو کون بھول سکتا ہے، ان کی پوشاک سب سے جداگانہ۔ غرض ہر قوم اور تہذیب کا اپنا ایک رنگ ہے۔ وہ دور سے ہی پہچانی جاتی اور تعارف کے بغیر بھی اچھی طرح روشن۔ پیغمبر ﷺ نے اسی لیے تشبہ بالکفار اور مشابہت بالفجّار سے منع کیا ہے۔ متعدد مقامات پر غیر مسلموں کی پوشاک اور ان کے طرزِ زندگی سے اجتناب کی تلقین کی ہے، ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا، اس کی انگلی میں رانگ کی انگشتری تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: پتہ نہیں کیوں، مجھے تیرے جسم سے بتوں کی بو محسوس ہو رہی ہے؟ اس شخص نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ خدمتِ اقدس میں دوبارہ آیا تو اس کی انگلی میں لوہے کی انگشتری تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تیرے بدن پر جہنمیوں کا زیور کیوں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے وہ بھی پھینک دی اور باادب دریافت کرنے لگا: پھر کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چاندی کی۔ مگر خیال رکھنا کہ چار مثقال کی نہ ہو، بلکہ اس سے کم کم تک:

أن رجلا جاء إلى النبى صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له ما لى أجد منك ريح الأصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال ما لى أرى عليك حلية أهل النار فطرحه فقال يا رسول الله من أى شيء أتخذه قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا. (الراوی: بریدة بن الحصیب الأسلمی المحدث: ابوداود - المصدر: سنن ابی داود - الصفحة أو الرقم ۴۲۲۳)

غور کیجیے! انگوٹھی کی اوقات کیا ہے؟ ایک معمولی سی چیز ہی تو ہے۔ اتنی چھوٹی کہ دور سے نظر بھی نہیں آتی۔ اس کے باوجود یہ تاکید اور اتنی بڑی تہدید!

مردانہ ملبوسات میں عمامہ ایک ممتاز لباس ہے۔ پیغمبر ﷺ بڑے اہتمام سے باندھا کرتے۔ آپ کی اتباع میں صحابہؓ بھی بسا اوقات باعمامہ رہتے۔ حضور ﷺ نے انہیں آگاہ کیا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر باندھے جاتے ہیں، جب کہ مشرکین کی پگڑیاں بغیر ٹوپی کے رہتی ہیں۔

ابوداؤد شریف میں ہے: **أنَّ رُكَانةَ صارَعَ النَّبيَّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم فصرَعه النَّبيُّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم، قال رُكَانةُ: وسمِعْتُ النَّبيَّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم يقولُ: فَرْقُ ما بيننا وبين المُشرِكينَ العَمائمُ على القلانسِ.**

(الراوی: رکانة بن عبد یزید بن ہاشم المحدث: ابوداؤد - المصدر: سنن ابی داؤد - الصفحة أو الرقم ۴۰۷۸)

لباس کا تعلق صرف مردوں سے نہیں، عورتوں سے بھی ہے۔ بلکہ عورتیں لباس میں مردوں سے فائق ہیں۔ اسلام نے مردوں پر صرف ناف سے گھٹنے تک کا ستر فرض کیا ہے، لیکن عورتوں پر تقریباً پورے جسم کا ستر لازم۔ زندگی کے ساتھ بھی اور زندگی کے بعد بھی۔ خواتین میت کے لیے کپڑے زیادہ ہیں اور مرد میت کے لیے کم۔ اسلام کی نظر میں عورت ایک خزانہ ہے اور خزانہ چھپا کر رکھا جاتا ہے۔

آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کھانے پینے کی ساری چیزیں اللہ نے پردے میں رکھی ہیں۔ سارے پھل غلاف کے اندر ہیں۔ آم، کیلے، لیچی اور بے شمار ثمرات سب ہی پردے میں۔ پینے کا صاف پانی زمین کے اندر رکھ دیا۔ گیہوں، چاول، دال اور سارے اناج کا بھی یہی حال ہے۔ انڈے بھی چھلکوں میں بند۔ ان حجابات سے باپردہ اشیا کی قیمتیں نمایاں ہیں۔ چھیلا ہوا آم، تراشیدہ کیلے اور پوست اتاری ہوئیں گیلی اشیا خرابیوں سے پاک نہیں رہتیں۔ بیماریاں لاتی ہیں۔ انہیں کون پوچھتا ہے؟

فطرت کے اس نظام کو انسان نے بھی خوب سمجھا، چناں چہ دیکھیے: نئی مصنوعات ڈبوں میں بند ہوتی ہیں۔ ڈبوں میں ان کا قیام یہ بتاتا ہے کہ تیار ہونے کے بعد انہیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ بہت خاص اور گراں قدر ہیں۔ ان کی قیمت اونچی ہے۔ عورتیں تو انسان ہیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ انہیں مختلف روپ لینا ہے: کبھی بیٹی اور بہن۔ اگلے دور میں بیوی اور بہو۔ مزید آگے ماں اور نانی دادی۔ یہ سارے رشتے نہایت محترم اور نہایت مقدس ہیں۔ ان کے تقدس کا تقاضا ہے کہ انہیں چھپا کر رکھا جائے اور چند ایک کو چھوڑ کر ان کا دیدار حرام کر دیا جائے، چناں چہ یہ عورتیں چند ایک کے علاوہ سب پر حرام ہیں۔ انہیں کوئی دیکھ نہیں سکتا، بے ضرورت ان سے بات نہیں کر سکتا، یہ پردے سے بات بھی کریں گی تو نہایت تلخی کے ساتھ۔ آواز میں کوئی لچک اور کوئی کشش نہیں ہوگی۔

مرد ہو یا عورت، اسلام نے دونوں کے لباس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ، اسی طرح امہات المومنین اور دیگر صحابیاتؓ تا زندگی انہیں لباس میں رہے جن کو اسلام ضروری کہتا، یا ان کی اجازت دیتا ہے۔ کبھی کسی نے خلافِ شرع لباس اپنایا تو آپ ﷺ نے کبھی نرمی سے اور کبھی نہایت ترشی سے اس کی ممانعت فرما دی۔

مسندِ فاروق میں ہے: **شَهِدْتُ عمرَ بنَ الخطَّابِ دخلَ عليهِ عبدُ الرَّحمنِ بنُ عوفٍ ، وعليهِ قميصٌ من حريرٍ ، فقالَ لَهُ عمرُ :دَع هذا عنكَ أوِ انزِع هذا ، فإنَّهُ ذَكرَ النَّبيَّ صلَّى اللَّهُ عليهِ وسلَّمَ ، يقولُ :من لبسَ الحريرَ والدِّيباجَ في الدُّنيا لم يلبَسهُ في الآخرةِ ، ومَن**

شربَ فی آنیۃِ الذَّھبِ والفضَّۃِ فی الدُّنیا لم یشرَب فیھا فی الآخرۃِ فقالَ عبدُ الرَّحمنِ بنُ عوفٍ :إنِّی لأَرجو أن ألبسَہُ فی الدُّنیا والآخرۃِ.

(الراوی:عمر بن الخطاب المحدث:ابن کثیر -المصدر:مسند الفاروق-الصفحۃ أوالرقم ۱/۲۱۰)

اس حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:جس مرد نے دنیا میں ریشم اور دیباج پہن لیا،اسے آخرت میں یہ نعمت نہیں ملے گی۔سونے چاندی کے برتن میں کھانے والا آخرت میں ان برتنوں سے محروم رہے گا۔

یہ عام مشاہدہ اور مسلّم تجربہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔شرعی لباس اور حلیہ انسان کے لیے ڈھال ہے، جب کہ بےلباسی اور ننگا پن گناہوں کا مقناطیس۔جس مسلمان کا لباس اسلامی اور سنت سے ثابت شدہ ہو،اس کے دل میں گناہ کا داعیہ ابھر بھی جائے تو خود کو مبتلا کرنے سے حتی الامکان بچے گا، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ چوری نہیں کرتے۔کھلے بندوں شراب نہیں پیتے۔سرِ راہ زنا نہیں کرتے۔فحش گوئی بھی ان میں نہیں ہوتی۔یہ لوگ عوامی مقامات پر سینما بھی نہیں دیکھتے۔دھوکے بازی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ایسے لوگ قابلِ اعتماد اور دل کے قریب ہوتے ہیں۔ان کے چہروں پر متانت کا نور اور وقار کا جمال ہوتا ہے۔اس کے برعکس غیر اسلامی لباس میں ملبوس افراد کیا نہیں کرتے۔کون سا گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا۔اخلاقی قدروں سے انہیں خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے۔غیر انسانی حرکتیں اور شیطانی اعمال کا ان سے صدور عام سی بات ہے، بلکہ مشن میں داخل۔ایسے افراد سے سلیم طبیعت سخت متوحش ہوتی ہے۔یہ ہیں لباس اور ظاہری حلیے کے اثرات۔زبان سے نکلے الفاظ کو دل کا ترجمان کہا گیا ہے،اسی لیے قرآن نے کہا:وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَہ. ظاہری گناہ کی طرح باطنی گناہ بھی ترک کر دو۔

اسلام میں لباس اور ظاہری حلیے کی درستگی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔غیر اسلامی طرزِ زندگی اختیار کرنے والے مرد و عورت کو سخت دھمکی دی گئی ہے۔پیغمبر ﷺ اپنی طبعی شرافت اور فطری رافت ولینت کی بنا پر بددعا دینے سے آخری حد تک گریز کرتے،مگر بعض مواقع پر آپ سے بددعائیں بھی منقول ہیں، چناں چہ جو مرد عورتوں کا انداز اپناتے ہیں اور جو خواتین مردانہ روش اختیار کرتی ہیں،ان پر بھی آپ ﷺ نے لعنت بھیجی:

لعنَ رسولُ اللّٰہِ صلَّی اللّٰہُ علیْہِ وسلَّمَ ؛ المتشبِّھاتِ بالرِّجالِ منَ النِّساءِ والمتشبِّھینَ بالنِّساءِ منَ الرِّجالِ . (الراوی:عبداللہ بن عباس المحدث :ابوعیسیٰ سورۃ الترمذی-خلاصۃ حکم المحدث:صحیح التخریج:اخرجہ البخاری ۵۸۸۵،وابوداؤد ۴۰۹۷،والترمذی ۲۷۸۴،واللفظ لہ،وابن ماجہ ۱۹۰۴،واحمد ۳۱۵۱)

یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف لباس کی درستگی پر ہی متوجہ نہیں کرتا، بلکہ سر کے بالوں،داڑھی اور مونچھوں

پر بھی توجہ دلاتا ہے۔ سر کے بال بھی اسلامی ہوں، داڑھی بھی مومنانہ اور مونچھیں بھی دین کا نمائندہ۔ چناں چہ ہر ایک کی حد بیان کر دی گئی۔ خواتین کے بناؤ سنگار پر بھی شریعت روشنی ڈالتی ہے۔ آج حالات نہایت خراب ہیں۔ اخلاقی قدریں پامال ہو چکیں۔ اسلامی روایات کا تقریباً جنازہ نکل چکا ہے۔ مرد صلحاء کے لباس اور حلیے سے کنارہ کش ہیں اور خواتین اسلامی پوشاک سے محروم۔ بچے کھچے اور گنے چنے چند لوگ ہی اسلامی حلیے میں نظر آتے ہیں۔ نتیجتاً گناہوں کا وہ سیلاب اور معاصی کا وہ طوفان ہے کہ خدا خیر کرے۔ کون سا گناہ ہے جو بچ گیا، اور کون سا جرم ہے جس کا ہونا باقی ہے۔ جاہلیت کا پہلا دور بھی ان گناہوں سے پاک تھا، جن گناہوں میں عہدِ رواں کی جاہلیت سرِ عام مبتلا ہے۔ زمین تو گندی کر ہی دی تھی، اب فضائیں بھی پاک نہیں۔ ہوائی جہاز کا سفر بھی جرائم کی آماجگاہ۔ فطرت سے بغاوت اور ابلیس کی یہی تقلید ہے کہ آئے دن عذاب اور آفات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، مگر طبیعت ایسی کثافت زدہ اور فطرت ایسی مسخ ہو چکی کہ انسانیت کی بگڑی کل مزید بگڑتی جا رہی ہے۔ انسان گناہوں کی مشین بن چکا۔

مگر یہ دنیا ہے۔ یہاں خیر کے ساتھ شر بھی ہے۔ خیر کا کام یہ ہے کہ شر پر غلبہ پائے، اس کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔ ناکامیاں دیکھ کر حوصلہ ہار جانا خیر کا مزاج نہیں۔ وہ تو پانی کی طرح اپنے راستے خود بنا لیتی ہے۔ لوگ خواہ کتنے ہی بگڑ کیوں نہ گئے ہوں، ان کی تذکیر کا سلسلہ رکنا نہیں چاہیے۔ اسلام یہی سکھاتا ہے۔ تذکیر کبھی نہ کبھی فائدہ دے ہی جاتی ہے، **وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ** لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے کام کیا جائے۔ تقریراً ہو، یا تحریراً۔ انہیں بتایا جائے کہ مردوں کا ظاہری حلیہ کیسا ہونا چاہیے اور عورتوں کا کیسا۔ اس سلسلے میں بڑی چھوٹی بہت سی کتابیں تیار کی گئیں، جو الحمدللہ بازار میں دستیاب بھی ہیں۔ تازہ تصنیف "لباس التقویٰ" جناب تہذیب انور حسینی مبارک پوری صاحب کی اسی موضوع پر ہے اور کیا ہی لطیف!!

تصنیف مختصر ہے، مگر اپنے موضوع کو محیط اور جامع۔ اسلوبِ نگارش بامزا اور زبان و بیان آسان ہے۔ باتیں جتنی بھی ہیں، باوزن اور مدلل ہیں۔ کمزور باتوں سے انہوں نے کنارہ کشی برتی ہے۔ اس سے مرد و عورت دونوں یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ہر اردو خواں مرد و عورت اس کا مطالعہ کرے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے اور رسالے کو دنیا و آخرت میں سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔

وما ذلك على الله بعزيز

(آخری قسط)

مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

فضیلۃ الشیخ مجذوب فرماتے ہیں:

سلام عليكم ورحمة الله وبركاته.. ولكم أخلص الشكر على هديتكم النفيسة (أضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية والعربية في غجرات) وإنه كتاب قيم أتمنى لو يتاح توزيع مقادير منه على ذوي الثقافة في المواطن العربية ليتعرفوا من خلاله جهاد الأجيال من أئمة العلوم العربية والإسلامية في الهند، أولئك الجهابذة الذين ما انفكوا يتتابعون على إعلاء كلمة الله تحت راية القرآن والسنة، وفي حراسة اللسان المبين الذي جعله الله الوسيلة المثلى لفهمهما والاستضاءة بنورهما....

والحق إنني لم افاجأ بروعة المضمون ولا بسلامة الأسلوب، لأن الذي عرفته عنكم خلال الأيام المباركة التي تلاقينا بها في تركيسر وندوة العلماء قد ملأ نفسي إعجابا بمواهبكم (وعربيتكم) وانتظام أفكاركم العميقة، لذلك كانت مطالعتي في الكتاب فرصة جديدة لاستئناف ذلك اللقاء السعيد، الذي أضاف إلى شخصكم الكريم صحبة العشرات من فضلاء الأمة الذين كان لهم النصيب الأوفى من الفضل في الدعوة إلى الوحيين، وفي إعطاء العربية موطنا

جديداً تخرج فيه الأكبرون من حماة الفصحى وآدابها.

وحسب الكتاب بعد ذلك أن يضع بين يدي طلبة العلوم الإسلامية فيضا عَمَمًا من المعرفة في صفحات محدودة دون المئتين عددا، ومن أولى ثمراتها أن تزيد وشائج الأخوة بين مسلمي الهند والربوع العربية قوة وتوثيقا. وقد قدح جهدكم المبرور في نفسي خاطرة وددت لو تجد قبولا لدى أولي الفكر والأدب لا في الهند فقط بل في مختلف ربوع الإسلام.

لقد وفيتم حق غجرات بما عرضتم من وجوه إسهاماتها في نطاق الحضارة الإسلامية على مر العصور فرأينا مواكب العلماء والحكام الصالحين والمنشآت العلمية على اختلاف مستوياتها، ولم تغفلوا الحديث عن لغتها وتفاعلها مع لغة القرآن العظيم....وما إلى ذلك من ألوان النشاط الذي كان له مردوده الملموس في عالم الفكر الإسلامي على امتداد أمكنته وأزمنته....فجزاكم الله خير ما يستحق هذا الجهد من بركاته.

فضیلۃ الشیخ مجذوبؒ کا مضمون بارہ صفحات پر مشتمل ہے، طوالت کے خوف سے اس کو نقل نہیں کر سکتا ہوں، اس میں انہوں نے حضرت مفکر ملت کی سوانح کا پورا خاکہ، آپ کی شخصیت، اخلاق واعمال اور فلاح دارین کے شب وروز وغیرہ پر ایک ماہر نفسیات کے انداز میں بہت طویل کلام کیا ہے، حضرت مفکر ملت کی کتاب ''الاضواء'' کے پرانے نسخے کے سلسلہ میں یہ لکھا گیا تھا، اگر شیخ اس کے موجودہ نئے نسخے کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، اور اس پر مزید کلام فرماتے۔

اسی طرح چند دن پہلے مسجد نبوی شریف مدینہ منورہ کے استاذ فضیلۃ الشیخ حامد اکرم البخاری، اور مسجد نبوی شریف کے استاذ فقہ ومقاصد شریعت کے ماہر فضیلۃ الشیخ عامر بن محمد فداء بہجت حفظہما اللہ تعالیٰ کاپودرہ تشریف لائے تھے، انہوں نے بھی اپنے خصوصی خطاب میں علمی تأثرات کے ضمن میں اور نجی مجلس میں بھی جن کلمات عالیہ سے حضرت کو خطاب فرمایا یہ حضرت کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان مہمانوں کا استقبال محض مدینہ منورہ کی عظیم نسبت کی وجہ سے کیا، جنوبی گجرات کے

اساتذۂ حدیث کوبھی مسلسل بالا ولیت والی پررونق مجلس میں دعوت دے کرآپ نے عرب مہمانوں کوعلمائے گجرات کی خدمات سے واقف کرایااورشاندار دعوت بھی فرمائی،فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی خطوط

حضرت مفکرملت رحمۃ اللہ علیہ نے اس ناچیز کے نام کئی خطوط لکھے ہیں،جن میں علمی حقائق ،تاریخی معلومات اورجدیدکتب کی جانکاری سے متعلق قیمتی باتیں ذکرفرمائی ہیں،ان کانمونہ پیش خدمت ہے۔

عزیزم مولوی اقبال صاحب ٹنکاروی ودیگراحباب واساتذہ کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدسلام مسنون...امید ہے کہ آپ سب بعافیت ہوں گے،بندہ محمد یوسف نجرامی کی کتاب کا مطالعہ کرر ہاتھا،اس کتاب کانام ''**العلاقة السياسية والثقافية بين الهند والخلافة العباسية**'' ہے، دارالفکر،بیروت،لبنان سے طبع ہوئی ہے،اچھی دل چسپ کتاب ہے۔ص:۱۷۱ پر **النشاط الثقافی فی بغداد** کے عنوان کے ماتحت یہ بات معلوم ہوئی کہ گندھارضلع بھروچ کی لڑکیاں دارالخلافہ بغدادتک پہنچتی تھیں،جن میں بچوں کی تربیت کرنے والیاں بھی ہوتی تھیں اورگانے والیاں بھی،ان میں خمار ہندیہ بہت ہی مشہورگانے والی تھی،جوگندھارکی باشندہ تھی اوراس کوخدیجہ بنت ہارون بن عبداللہ الربیع کے دادانے دولاکھ درہم میں خریدا تھا،اصل عبارت یہ ہے:

> **''وخلال دراستنا للعصر العباسی نجد النشاط الثقافی للهنود بارزا فی بغداد، وقدمت الی بغداد كثير من النساء الهنديات من السند وغجرات بجنوب الهند ورعشن فی بلاط الخلفاء وامتلئت بهن الاسواق والندوات ودخلن بيوت العرب كسيدات ومربّيات الاطفال ومطربات وكانت من اشهر تلك الهنديات(خمار القندهارية) هذه حكايتها كما روتها خديجة بنت هارون بن عبد الله الربيع انها كانت من مدينة قندهار ، اشتراها جد خديجة بمائتی الف درهم''**

یہ پڑھ کرمجھے یہ عنوان ذہن میں آیا:''بھروچ کی حسینائیں بغداد کےشاہی محلات میں''

چوں کہ ایک تاریخی معلومات ہے،تحریرکردی جس سے بھروچ اوربغداد کے وسیع تعلقات کا پتہ چلتا

ہے،" **وامتلئت بهن الاسواق والندوات**" بتلاتا ہے کہ کثیر تعداد میں یہاں کی عورتیں بغداد جاتی تھیں، اور اس طرح دار الخلافہ اور بھروچ کا مضبوط تعلق قائم ہوا، کاش کہ کوئی باہمت گجرات کی قدیم تاریخی کتابوں سے اس موضوع پر مواد جمع کرے، کیا گجرات کے کسی مؤرخ نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے؟ اس کے لئے گجرات کے تاریخ دانوں سے ربط کرنے کی ضرورت ہے۔

بھروچ شہر میں کوئی قدیم تاریخ ہے جو بھروچہ ہال میں تھی؛ تحقیق فرماویں۔

اس کے جواب میں تحقیق کے بعد یہ خط میں نے حضرت کے نام روانہ کیا تھا، اور اس کے بعد ایک کتاب "عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات" نامی ۴۸۴ صفحات کی بھی لکھی ہے، جس پر حضرت مفکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی ہے۔ بندہ نے حضرت کے استفسار پر خط میں ذکر کردہ تاریخی معلومات کے سلسلہ میں تحقیق کر کے اپنی معلومات کے مطابق مضمون لکھا تھا، وہ بھی پیش خدمت ہے:

بخدمت گرامی قدر مفکر ملت جناب حضرت الاستاذ مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! بندہ خیر وعافیت سے ہوتے ہوئے آپ محترم کی خیریت وعافیت کا بارگاہ ربّ العزت میں خواہاں ہے۔

ہندوستان سے ہزاروں میل کی دوری کے باوجود حضرت والا محترم ومکرم کے علمی وادبی، تاریخی اور تربیتی مضامین سے، ہم طلاب مستفید ہوتے رہتے ہیں، حق تعالی شانہ آپ کے علمی، ادبی وتربیتی اس فیض کو ہم پر تاحیات مستعار جاری وساری فرمائیں اور آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ خوش وخرم رکھیں۔ آمین

دیگر عرض یہ کہ حضرت والا نے زیر مطالعہ کتاب "**العلاقة السياسية والثقافية بين الهند والخلافة العباسية**" کے گندھار والے مضمون کا ذکر فرمایا، اس سے خلافت عباسیہ کے ساتھ بھروچ کے مراسم قدیمہ کا پتہ چلتا ہے۔

آپ مکرم ومحترم نے گجرات کے مؤرخین کا تذکرہ فرمایا کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ خاص کر کے بھروچ کی قدیم تاریخ، (بھروچہ ہال والے کتب خانے میں) تلاش کرنے کا ذکر فرمایا، تو بندہ بھروچ کے اس کتب خانے رائے چنڈ ڈپ چنڈ لائبریری میں تاریخ کی تمام کتابیں دیکھ کر آیا، بھروچ کی تاریخ کے حوالہ سے قابل اعتناء اور تاریخی مواد والی صرف دو چار کتابیں دستیاب ہوئیں؛ لیکن ان میں بھی ہمارے موضوع سے متعلق کوئی بات نہیں تھی، بھروچ کی بندرگاہ سے عرب ممالک جانے والے مال یا وہاں

سے آنے والے سامان کا ہی صرف اجمالاً تذکرہ ہے، ثقافتی رشتہ کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں ہے؛ بلکہ بھروچ اور گندھار کے سلسلہ کی باتیں مسلم مؤرخین (علامہ بلاذری اور ابن بطوطہ) کے حوالے سے ہی ذکر کی ہیں، ایک کتاب میں گندھار کی تاریخی معلومات ہے؛ لیکن وہ بھی جین مذہب کے مندروں سے متعلق ہے، ہال کی منتظمہ صاحبہ سے بھی اس سلسلے میں گفتگو ہوئی، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، البتہ دوسرے کتب خانوں اور اہل تاریخ سے اس سلسلہ میں دریافت کرکے معلومات فراہم کرنے اور ہر قسم کا علمی تعاون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

بندہ نے بروڈہ ایم۔ایس۔کالج اور سورت کے جنوبی گجرات یونیورسٹی کے کتب خانے سے بھی ربط قائم کیا ہے، لیکن اب تک وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا ہے، جواب ملنے پر ان شاء اللہ آپ محترم کو اطلاع دی جائے گی، دارالعلوم ماٹلی والا کے مکتبہ میں ایک کتاب العصر العباسی (دکتور شوقی ضیف) ہے، اس میں اجمالاً مغنیات ہندیہ کا تذکرہ ہے، اسی طرح کتاب الاغانی میں بھی اجمالا تذکرہ ہے، البرامکہ نامی کتاب میں خاندان برامکہ کے زمانۂ عروج میں طب ومغنیات ہندیہ کا اجمالی تذکرہ ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری صاحب نے ''العقد الثمین''میں لکھا ہے:

كانت جوارى السند وامائها مشهورة فى القيام على مصالح الاولاد واداء الواجبات فى تربيتها، وحسن خدماتها، ولذاكان النجباء والشرفاء من المسلمين يرغبون الى اتخاذ السنديات جوارى وسرارى. (ص:۳۰)

اسی طرح (ص:۱۲۰) پر لکھا ہے:

وغزا عباد بن زياد ثغر الهند من سجستان فأتى سناروذ ثم اخذ على حوى كهز الى الروذبار من ارض سجستان الى الهند مند، فنزل كش (كچه) و قطع المفازة حتى اتى القندهار فقاتل اهلها فهزمهم وفلهم وفتحها بعد ان اصيب رجال من المسلمين وراى قلانس اهلها طوالا فعمل عليها فسميت العبادية، وقال ابن المفرغ :

كم بالجروم وارض الهند من قدم ☆ ومن سرائنك قتلى لاهم قبروا
بقندهار، ومن يكتب منيته ☆ بقندهار يرجم دونه الخبر

(فتوح البلدان:ص/۴۲۲)

(قال القاضی) کش ویقال لها قصة ایضا بین السند والکجرات، وھی کچھ. قال الحموی: کش مدینة بارض السند، و ایضا کش او کس مدینة تقارب سمرقند وقریة من جرجان، واما القندھار کما قال الحموی: مدینة من بلاد السند والھند مشھورة فی الفتوح . وقال فی ظفر الواله: قندھار بندر صغیر علی خور کنبایت ، وھی الیوم تدعی بگندھارا من توابع بھروچ ، واما کابل وقندھار فلیس مراد ھھنا. (ص:۱۲۱)

اسی طرح قاضی رشید بن زبیر کے حوالے سے ''ہندوستان عربوں کی نظر میں'' (حصہ اول:ص/۱۱۵) بھی گندھار کا تذکرہ ہے، خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں ۱۵۱ھ کو ہشام بن عمرو تغلبی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سندھ کو عبور کر کے قندھار (گندھار ضلع بھروچ، گجرات) پر حملہ کیا تو یہاں اس نے لوہے کا ایک موٹا سا ستون پایا جو ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہاتھ لمبا تھا، ہشام نے مقامی لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اہل فارس کی اس زمانے کی تلواریں ہیں جب انہوں نے تبع حمیری کے ساتھ حملہ کر کے ہمارا یہ ملک فتح کیا۔ قندھار کے فتح کرنے کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں اکٹھا کر کے توڑ ڈالیں، انہیں ٹوٹی ہوئی تلواروں سے یہ ستون بنایا گیا، اہل یمن کا خیال ہے کہ تبع نے اس موقع پر یہ شعر کہا تھا ۔

ولو نعرت بقندھار نعرة ☆ خرت صوامعها وکل عمود

(ص:۱۱۶)

فتوح البلدان (ص:۴۳۱) پر لکھا ہے:

واتی القندھار فی السفن ففتحها وھدم البُدَّ وبنی موضعه مسجدا فاخصبت البلاد فی ولایته وتبرکوا به ودوخ الثغر وحکم اموره .

(ص:۴۳۱) گندھار ہمیشہ سندھ کے تابع رہا۔ (تاریخ سندھ:ص:۱۵۵-۱۵۸)

حضرت مفکر ملت نے اس خط کے جواب میں پھر حوصلہ افزا جواب لکھتے ہوئے فرمایا:

عزیزم مولوی اقبال احمد صاحب ٹنکاروی فلاحی زادکم اللہ فضلا وعلماً ودیگر ارباب ذوق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنونہ! کافی انتظار کے بعد آپ کا مفصل محبت نامہ موصول ہوا، آپ نے تاریخی معلومات کے لئے جو محنت فرمائی اس سے دل بہت خوش ہوا، ہم طالب علموں کا کام جستجو میں لگا رہنا ہے، بغیر محنت اور بغیر طلب

کے علم میں اضافہ مشکل ہے،اللہ تعالیٰ آپ سب کو علمی کاموں کے لئے مزید ہمت اور توفیق عطا فرماویں۔آمین

اس عریضہ کے ساتھ رزین بن معاویہ العبدریؒ کے بارے میں کچھ معلومات ارسال کرتا ہوں۔اس لئے کہ صاحب مشکوٰۃ شریف نے بعض روایتوں کو ان سے نقل فرمایا ہے،اور **رواہ رزین** کہہ کر خاموش ہوگئے ہیں، بندہ نے جس سال مشکوۃ شریف پڑھائی تھی اس وقت ان کے بارے میں جستجو کی تھی ،مگر تفصیلات نہ مل سکی تھی،سوائے نام کے،اس کو حاشیہ پر نقل کردیا تھا،**ھو رزین بن معاویة العبدری**؛ مگر ابھی علامہ شوکانیؒ کی **الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة** کا مطالعہ کررہا تھا،جس پر عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی کی تعلیقات ہیں اور الازہر کے **کلیة الشریعة** کے استاذ عبدالوہاب عبداللطیفؒ نے اس کی تصحیح کی نگرانی فرمائی ہے۔رزین کے بارے میں تھوڑی نئی باتیں سامنے آئیں؛وہ مشکوٰۃ شریف کے اساتذہ کے کام کی ہیں۔ترکیسر،ہانسوٹ،کنتھاریہ،جمبوسر کے اساتذہ کو مطلع فرمائیں اور اگر ان کے پاس مزید معلومات ہوں تو بندہ کو مطلع فرماکر احسان فرمائیں،میرے جیسے طالب علم کیلئے آپ کا تعاون مفید ثابت ہوگا۔ان شاءاللہ

حضرت مفکر ملت نے اس کے بعد ایک طویل مضمون علامہ رزین کے متعلق تحریر فرمایا ہے،جس کو طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔

بندہ کی تصنیفات پر آپ کی حوصلہ افزائی

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ سے اردو،عربی اور گجراتی میں شائع ہونے والی جتنی بھی کتابوں پر تقریظ تحریر کرنے کے لئے آپ کو زحمت دی گئی،آپ نے پیرانہ سالی اور بیماری ومرض کا خیال کئے بغیر ہر مرتبہ تقریظ کے علاوہ حوصلہ افزا کلمات بھی تحریر فرمائے؛ بلکہ یہاں کی شائع شدہ کتابیں ملک وبیرون ملک اہل علم کی خدمت میں بھی پہنچانے کا آپ التزام فرماتے تھے۔

جمع کتب کا اہتمام

مسلمانوں کے علمی عروج کے دور میں مسلمان ملکوں میں جگہ جگہ کتب خانے قائم ہوئے،جن میں کتابوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی، یہ کتب خانے حکومتی سطح کے بھی ہوتے تھے اور ذاتی سطح کے بھی، اس ملک میں بھی ہمارے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق کتابیں جمع کرتے تھے، گجرات جیسے صوبہ میں جہاں مطالعہ وتحقیق کا ذوق کم ہے؛حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معیاری کتابیں جمع کی

ہیں، بلکہ کتب خانہ قائم کرتے ہوئے اس کے دروازے ہمیشہ علماء و محققین کے لئے کھلے رکھے ہیں۔

آپ کے کتب خانے میں ہر فن کی معیاری کتابیں جمع کی گئی ہے، جس سے آپ کا اعلیٰ ذوق اور علمی حرص وطلب جھلکتی ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ شاید گجرات میں کسی کے پاس کماو کیفا اتنا بڑا ذاتی وشخصی کتب خانہ نہیں ہوگا۔ اگر ہم بھی ان اسلاف کا سا شوق وذوق پیدا کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ ہمیں بھی بیدار مغزی کے ساتھ پیچھے مڑ کر اپنے اسلاف اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آئینہ دیکھنا ہوگا۔

اوصاف حمیدہ

یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ استاذ محترم حضرت مولانا قاسم صاحب آنتی دامت برکاتہم تشریف لائے، حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ کا حضرت مولانا سے بہت پرانا تعلق ہے تو آپ حضرت مفکر ملت کے سلسلے میں اپنا تجربہ بیان فرمائیں۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ میرا مفکر ملت کے ساتھ ۱۹۵۵ء سے تعلق ہے، میں نے ان میں جو خوبیاں دیکھی وہ دوسروں میں بہت کم دیکھی ہے۔

(۱) ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں تعصب (علاقائی، اداری، قومی، مسلکی یا مشربی) بالکل نہیں ہے، ان کا دل مخلص ہے، (**ليس في قلبك غش لاحد** کا مصداق ہے۔)

(۲) کسی بھی چھوٹے کو بڑا بنانا، چاہے وہ آپ کے برابر ہوجائے یا آپ سے بڑھ جائے، اس کی ان کو فکر ہوتی ہے، یہ بہت جگر گردہ کی بات ہے، آج کل تو استاذ ہی نہیں چاہتا ہے کہ شاگرد ان سے بڑھ جاوے۔

(۳) غیبت آپ کو بالکل پسند نہیں ہے، کسی سے رائے کے اختلاف کی بنیاد پر عداوت بالکل نہیں رکھتے ہیں، کسی کی کوئی بات پسند نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ صرف اتنا فرما دیتے ہیں کہ یہ بھی ایک رائے ہے۔

(۴) آپ کے معاشی حالات ابتداء میں اچھے نہیں تھے، پھر بھی مہمان نوازی میں کبھی کمی نہیں کرتے تھے، عشاء کے بعد طلبہ کو مسجد میں یا دارالاقامہ میں بھیجتے تھے کہ کوئی مہمان ہو تو گھر پر لے آؤ۔

(۵) کسی سے ملتے ہیں تو اس کی اچھائیاں ہی مدنظر رکھتے ہیں، اس کی برائیاں جانتے ہوئے بھی ذکر نہیں کرتے ہیں۔

یہ حضرت کی زندگی کے چند منتشر اوراق ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت والا کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین! (ختم شد)

نقد و نظر

فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا

نام کتاب : اسلامی خاندان	مصنف : محترم مولانا شمشاد ندوی
صفحات : ۲۰۰/روپئے قیمت ۱۰۰/روپئے	ملنے کا پتہ: امارت شرعیہ، بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے: **فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا** یعنی آدم خاکی کو صاحب نسب اور صاحب سسرال بنایا۔ انسان کے توالد وتناسل کا سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا ہے، ایک گھر کا مرد دوسرے گھر کی لڑکی سے نکاح کے ذریعے ایک ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں مختلف رشتے وجود میں آتے ہیں۔ بھائی، بہن، خالہ، ماموں، چچا، پھوپھی سمیت بے شمار رشتے داریاں جنم لیتی ہیں اور پھر ایک خاندان تشکیل پاتا ہے۔ خاندان کی معرفت کس قدر اہم ہے، اسے سمجھنا ہو تو پیغمبر علیہ السلام کا یہ فرمان سنئے: **تعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم فان صلة الرحم محبة للاهل مثراة للمال و منسأة للاجل.**

اس حدیث کے راوی علاء بن خارجہ ہیں، علامہ ہیثمی نے اپنی کتاب ''مجمع الزوائد (ج ۸/ص ۱۵۵) میں اسے نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ سنن ترمذی اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے ساتھ ہی ہر طرح مضبوط اور قابلِ استدلال بھی۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! اپنا نسب نامہ کم از کم اتنا تو سیکھ ہی لو کہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرسکو، صلہ رحمی کے کئی فوائد ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ اس سے خاندان میں محبت فروغ پاتی ہے (۲) دوسرے یہ کہ یہ مالی فراوانی لاتی ہے (۳) اور تیسرے یہ کہ اس عمل کی برکت سے آدمی کی عمر اور نیک نامی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں باقاعدہ نسب نامہ سیکھنے کی تلقین کی گئی ہے، یہ ایک ایسا مبارک اور مؤثر قدم ہے جس

کے فوائد سر کی آنکھوں سے دیکھے جاتے اور تجربات کی نگاہوں سے ہو ہو کر گزرتے ہیں۔اس سے خاندان کی اہمیت کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں۔

ہر خاندان میں مختلف رشتے ہوتے ہیں اور ہر رشتہ کے اپنے حقوق۔ ماں باپ کے حقوق جدا ہیں، بھائی بہن کے حقوق دیگر ہیں، بڑوں اور چھوٹوں کے حقوق کا بھی اپنا ایک مقام ہے۔ان حقوق کو ادا کرنا ہر فرد پر ضروری ہے۔مثلاً والدین پر لازم ہے کہ اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کریں، وقت پر ان کی شادی کردیں، جب کہ اولاد پر لازم ہے کہ اپنے والدین کی عظمت واہمیت کو سمجھیں،ان کے آرام وراحت کا بہرطور خیال کریں، اسی طرح بڑوں کے ذمے چھوٹوں پر شفقت اور صغیر کے ذمے کبیر کی توقیر ہے۔ خاندان کے ساتھ گزر بسر کرنے کے یہی اسلامی اصول ہیں۔اسلام نے خاندانی افراد کے ساتھ محبت و وفاداری اور ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک کی جیسی تعلیم دی ہے اگر کوئی خاندان اس پر عمل کرلے تو دنیا میں اس سے زیادہ سکھی کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک برتنے، اپنانے اور تجربہ کرنے کی چیز ہے۔ یہ اتنا ضروری ہے کہ قرآن وحدیث اس کی تعلیمات سے پر۔ ہر خاندان ان تعلیمات کو اپنی زندگی کا لازمہ بنائے تو یہ تدبیر منزل،تہذیب اخلاق اور سیاستِ مدنیہ میں بلاشبہ انقلابی رول ادا کرے گی۔

اسلامی خاندان کس طرح تشکیل پاتا ہے اور افرادِ خاندان کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں؟ یہ ایک اہم موضوع ہے۔اس موضوع پر اردو میں کوئی مستقل اور جامع کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ زیر تبصرہ تصنیف اس خلا کو بہت ہی بہتر انداز میں پر کرتی ہے۔

کتاب کے مصنف مولانا شمشاد ندوی ہیں جو بہار کے شیوہر ضلع سے تعلق رکھتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا خوب ملکہ ہے، دودرجن سے زائد تصنیفات ان کے قلم سے آچکیں، زبان صاف اور علمی رکھتے ہیں۔ایک طویل عرصے سے جامعہ ہدایت جے پور کے موقر استاذ ہیں۔ میں نے اس کتاب کو بہ نظر غائر دیکھا، بڑی مفید اور معلوماتی نظر آئی۔آغاز میں متعدد اہل قلم کے تاثرات ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر گھر میں اسے پڑھا جائے، اس سے خاندانی الجھنیں، شکست وریخت اور قدیم وجدید تلخیاں دور ہوں گی اور اس طرح ہر گھر نمونۂ جنت بنے گا۔

❀……✦……❀

نام کتاب : یادوں کے جھروکوں سے	مصنف : مولانا عبدالعلی فاروقی
صفحات : ۲۰۰/روپئے قیمت ۲۵۰/روپئے	ملنے کا پتہ: مکتبہ البدر کاکوری،لکھنؤ

لکھنؤ کا فاروقی خانوادہ برصغیر میں اپنی شہرت رکھتا ہے۔امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی ہندوستان میں شیعیت کے خلاف پیغامِ اجل تھے۔امام اہل سنت کا لقب ان پر ایسا چسپاں ہے کہ اس کا تلفظ ہوتے ہی صاحب علم مخاطب ''مرادی شخصیت'' کو متعین کر دیتا ہے۔مولانا عبدالعلی فاروقی اسی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔

مولانا فاروقی کا تعلق چوں کہ علمی خانوادے سے ہے، پھر وہ عالم و فاضل بھی ہیں اور مختلف عصری جامعات سے سند یافتہ بھی۔اس پر مستزاد لکھنؤ کی ادبی فضا۔ان سبھوں نے مل کر زبان و ادب پر ان کی گرفت کو مزید گہرا کر دیا ہے۔ان کے قلم میں شادابی ہے، رعنائی ہے، بہار ہے، نکھار ہے، شگفتگی ہے، بانکپن ہے، غرض کہ وہ سارے عناصر اور اجزائے ترکیبی ہیں جن کے اجتماع سے اردو کا حسین پیکر تیار ہوتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب دراصل ان کی بیاض ہے۔یہ مختلف رنگوں سے مرکب ایک قوسِ قزح ہے، جس میں انہوں نے اپنی یادداشت کے لئے اپنے عہد کے علمائے اسلام، اکابر امت، اسی طرح وقت کے ادیبوں، شاعروں اور دوستوں کا تکلف برطرف ذکر خیر کیا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کو انہوں نے دیکھا، بھالا اور برتا۔ وہ اپنے ہر ممدوح کا بہت ہی والہانہ تذکرہ کرتے ہیں اور اپنی یادداشت کو محفوظ کرنے کے ساتھ لوح و قلم اور ادب و انشاء کی نئی دنیا بھی آباد کرتے ہیں۔اس میں دارالعلوم دیوبند کا علمی سفر، اس دوران ان کے ساتھ پیش آمدہ واقعات، اساتذہ اور اس عہد کے اکابر کے ساتھ اپنے گزرتے لمحات کو بڑی وارفتگی سے قلمبند کرتے ہیں۔مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور وہاں کے جلیل القدر علماء کے حالات و مشاہدات بھی لکھتے ہیں، ان کے علاوہ اپنے دیگر احباب و معاصرین کو بھی خوب صورت الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔یہ ساری چیزیں اس کتاب میں موجود ہیں۔ان حکایات و قصص کے درمیان صاحب قلم کی اپنی شخصیت بھی بے غبار اور آشکار نظر آتی ہے۔یہ خودنوشت سوانح تو نہیں مگر ذائقہ خودنوشت سوانح ہی کا رکھتی ہے۔

کتاب میں مصنف نے اپنے اسلوب نگارش کی جو جھلکیاں دکھلائی ہیں انہیں پڑھ کر کوئی بھی ذوق آشنا یہ رائے قائم کرنے سے نہیں چوکے گا کہ مولانا فاروقی اپنے عہد کے ان چند اربابِ قلم میں ہیں اردو زبان جن پر بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔استعارات و تمثیلات، تشبیہات و ضرب الامثال کی کثرت نے اسے شاہ کار بنا دیا ہے۔کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

❀......✦......❀

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث ونائب ناظم تعلیمات جامعہ ہٰذا

تعطیل عیدالاضحیٰ کے بعد تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز

عیدقرباں کی تعطیل ۵/تا۲۰/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۷/تا۳۱/اگست ۲۰۱۸ء رہی۔ تعطیل ختم ہوتے ہی ۲۰/ویں ذی الحجہ سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کردیا گیا۔ تمام ہی اساتذہ وقتِ مقررہ پر تشریف لاکر اپنی تدریسی مہمات میں مصروف ہوگئے۔ الحمدللہ درس گاہوں میں طلبہ کی پابندی وحاضری حسب سابق جاری ہے، جب کہ بعدمغرب وعشاء ان کے مذاکرات ومطالعات کی سرگرمیاں بھی شباب پر ہیں۔

عیدقرباں میں جامعہ میں قربانی

ہرسال کی طرح حالیہ عیدالاضحیٰ میں بھی جامعہ میں قربانی کا معقول نظم رہا۔ بڑے اور چھوٹے جانوروں کی قربانی کافی تعداد میں ہوئی، قربانی کا گوشت شریعت کے مطابق تقسیم کیا گیا۔ دریں اثناء تعطیلِ کلاں میں طلبہ کی ضیافتوں کا بھی اہتمام رہا۔ جامعہ نے طالبانِ علوم دینیہ کو قربانی کا گوشت بھی دیا۔

دفتر اہتمام کی تعمیر

کسی بھی دینی ادارہ کا سب سے کلیدی دفتر ''دفتر اہتمام'' ہوتا ہے، جہاں اہتمام سے متعلق اہم اشیاء موجود رہتی ہیں۔ جامعہ کا دفتر اہتمام ابھی تک ایک چھوٹے کمرے کی شکل میں تھا جو دستاویزات اور ضروری لوازمات کے لئے بالکل ناکافی تھا، اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے دارالحدیث انور ہال کے پہلے منزلے پر دفتر کی تعمیر عمل میں آئی ہے۔ یہ دفتر، تنظیم وترقی اور محاسبی کے درمیان میں واقع ہے۔ کام تیزی سے جاری

ہے۔امید ہے کہ ان شاء اللہ آٹھ دس روز میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

طلبہ کے لئے تربیتی اجلاس

جامعہ میں ہر ماہ کم از کم ایک بار تربیتی اجلاس کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں ساری جماعتوں کے طلبہ شریک ہوتے ہیں۔اجلاس کے الحمدللہ خاطر خواہ فوائد سامنے آئے ہیں۔طلبہ میں بیداری، علم کی بھوک اور مقصد کی لگن بڑھی ہے۔اجلاس سے بہ طور خاص جامعہ کے استاذ حدیث وافتاء محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد صاحب نے خطاب کیا۔

انہوں نے قرآن وحدیث اور اکابر اسلام کے واقعات کے حوالے سے دلچسپ اور مفید پیرائے میں تقریر کی۔انہوں نے طلبہ کی استعداد سازی کے بنیادی اصولوں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اپنے اسباق کا پیشگی مطالعہ صلاحیت سازی میں کیمیا کا اثر رکھتا ہے۔یہ گویا خود سے چلنے کی مشق ہے۔مدارس کے اہداف میں خود سے چلنے، دوڑنے اور سبقت لے جانے کا شوق اجاگر کرنا بہ طور خاص شامل ہے۔

انہوں نے عبارت خوانی کی اہمیت پر بھی خوب توجہ دلائی۔ان کا کہنا تھا کہ استعداد کی خامی یا نقص کا پتہ عبارت خوانی سے ہی چل جاتا ہے۔خط خواہ کتنا ہی ناصاف اور ناخوش گوار ہو، مگر عبارت خوانی کی کمزری کسی بھی طرح قابل قبول نہیں۔یہ ایک ایسا عیب ہے جو متلاشیانِ علم کے لئے نہایت رسوا کن ہے۔لہٰذا ہر طالب پر لازم ہے کہ عبارت خوانی، پیشگی مطالعہ، آموختہ کا اعادہ اور تکرار و مذاکرہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔یہ چیزیں طلبہ کے لئے نہایت کارآمد اور مقصد برآری میں بے حد نفع بخش ہیں۔ان کے بغیر علمی سفر ہرگز آسودۂ منزل نہیں ہوسکتا۔

دارالعلوم وقف کے سیمینار میں حضرت رئیس الجامعہ دام ظلہم کی صدارتی تقریر

ماہ اگست کے درمیانی عشرے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی حیات و خدمات پر دارالعلوم وقف میں دوروزہ سیمینار ۱۲/اور ۱۳/اگست کو منعقد ہوا، جس کی ایک نشست کی صدارت حضرت رئیس الجامعہ نے فرمائی۔اس موقع پر اپنی صدارتی تقریر میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کے علاوہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے حالاتِ زندگی پر بھی بھرپور روشنی ڈالی۔آپ نے فرمایا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ علومِ قاسمی کے امین اور ان

کے افکار ونظریات کے نقیب تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی بہ طرزِ نانوتویؒ اسلام کی اشاعت میں صرف کردی۔ آج کا یہ سیمینار ان کی علمی اور فکری شخصیت کو خوب اجاگر کررہا ہے۔ درجنوں مقالات آئے جن میں حضرت رحمہ اللہ کی ہمہ جہت پہلو پر خوب روشنی ڈالی گئی۔

آپ نے فرمایا کہ اس موقع پر حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو یاد کرنا بے محل نہ ہوگا، کیا ہی قابلِ رشک زندگی گزاری! علم، قلم اور اتباعِ سنت ان کا امتیازی وصف رہا۔ وہ نصف صدی سے زائد دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ دارالعلوم وقف کا قیام بھی انہیں کی آہِ سحر گاہی کا ثمرہ ہے۔ وہ اپنی صاف شبیہ، بے داغ سیرت اور علمی وعملی مرجعیت کی بنا پر ہمیشہ دلوں کی دھڑکن بنے رہیں گے۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں کہا گیا کہ صحابہؓ کا قافلہ جارہا تھا اور وہ پیچھے رہ گئے تھے، اسی کی پیروی میں یہ عرض ہے کہ تابعین کا کارواں گزر رہا تھا اور حکیم الاسلامؒ آخری تابعی تھے جو اس کارواں سے بچھڑ گئے تھے۔ اس تقریب کے انعقاد پر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ڈائریکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی اور ان کے کارکنان کو مبارک باد بھی دی۔

ماہانہ امتحان کا انعقاد

جامعہ میں ہر دو ماہ پر عربی درجات کی ابتدائی جماعتوں کے امتحانات ہوتے ہیں، جنہیں ''ماہانہ امتحان'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ امتحان طلبہ کی استعداد سازی میں ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ سال رواں کا پہلا ماہانہ امتحان ۲۸/ذی قعدہ کو ہوا، درجہ اعدادیہ، عربی اول تا عربی سوم کی اکثر کتابوں، جب کہ عربی پنجم کی صرف ایک کتاب ''آسان اصول حدیث'' کا امتحان لیا گیا۔ حضرات ممتحنین اساتذہ جامعہ سے ہی منتخب کئے گئے، جنہوں نے ہمہ جہت امتحان لے کر طلبہ کی تیاریوں کا جائزہ لیا اور تعلیمات کو مفید مشوروں سے نوازا۔ ممتحنین نے کمزور گوشوں کی طرف نشان دہی بھی کی۔ دفتر تعلیمات نے متعلقہ اساتذہ کو وہ تاثرات بند لفافے میں دیدیئے ہیں تاکہ وہ ان گوشوں پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں۔ نتائج بحیثیت مجموعی امید افزا ہیں۔ ممتاز طلبہ کی فہرست جماعت وار درج ذیل ہے۔

اعــدادیــہ : (۱)خبیب انور شاہ، دیوبند (اول) (۲) طارق اطہر ویشالی (دوم) (۳) محمد ماہر باغپت (سوم)

عربی اول : (۱) توقیر عالم سپول (اول) (۲) مہران ذاکر اتر دیناجپور (دوم) (۳) نوشاد خاں

ایم پی (سوم)

عربی دوم : (۱) دانش باغپت/محمد شعبان لکھنؤ (اول) (۲) علقمہ افضال لکھیم پور (دوم) (۳) محمد ولی اللہ متھرا (سوم)

عربی سوم : (۱) عبدالرحمٰن مہراج گنج (اول) (۲) خالد سیف اللہ مہراج گنج (دوم) (۳) محمد عمر دیوبند (سوم)

عربی پنجم : (۱) محمد تسلیم کبیر نگر (اول) (۲) احکام قاضی بنگال (دوم) (۳) مستفیض اختر دیناجپوری (سوم)

کیاریوں کی تعمیر

جامعہ کے صدر دروازہ سے دارالحدیث کی طرف جانے والی سڑک کے دونوں کناروں پر پچھلے چند ماہ سے رنگ برنگ اور خوشبودار پھولوں کے پودے لگے ہوئے ہیں جو ناظرین کو اپنے حسین نظارے سے متاثر کرتے ہیں۔ان سے جامعہ کی آب وہوا فرحت بخش بنی ہوئی ہے۔ان پودوں کی دیکھ بھال اور خاص نگرانی کے لئے اب دونوں طرف کیاریوں کی تعمیر جاری ہے۔یہ کیاریاں سرخ پتھر سے تعمیر کی جاری ہیں،ان سے چمن کا حسن مزید نکھر گیا ہے۔

وفیات

حضرت مولانا محمد مظہر عالم قاسمی کی وفات پر ایصال ثواب اور دعا

سرزمین ممبئی کی معروف علمی شخصیت حضرت مولانا مظہر عالم قاسمی کا ۳۰/ستمبر ۲۰۱۸ء کو ایک مہلک مرض میں انتقال ہوگیا۔وہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔ممبئی سے متصل ضلع تھانے کے میرا روڈ میں دارالعلوم عزیزیہ کے بانی ومہتمم بھی تھے، سرزمین ممبئی پر ان کی ذات دیوبند سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مرجع تھی۔احقر فضیل احمد ناصری نے ان کے زمانۂ اہتمام میں چار سال تدریس کے فرائض انجام دیئے ہیں، بلکہ تدریس کا آغاز بھی اسی ادارے سے ہوا۔مرحوم کی خبرِ وفات پر جامعہ میں دعا کر کے ایصالِ ثواب کیا گیا۔

مفتی عمر اعجاز صاحب کی نانی کی وفات

جامعہ کے استاذ عربی محترم جناب مولانا مفتی عمر اعجاز صاحب کی نانی کا انتقال ہوگیا۔ مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور آخرت کی تیاری میں کوشاں تھیں۔ ان کی روح کی تسکین کے لئے بھی جامعہ میں قرآن کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا گیا۔

اللہ جل مجدہٗ ہر دو مرحومین کی مغفرت فرمائے اور فردوس بریں میں مقام عطا کرے۔

واردین وصادرین

دارالعلوم وقف میں منعقدہ ''خطیب الاسلام سیمینار'' میں ملک کی اہم شخصیات تشریف لائی تھیں، حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے انہیں جامعہ میں بھی مدعو کیا اور ان کے لئے عشائیہ کا اہتمام کیا۔ یہ دینی اور علمی شخصیات جامعہ میں آئیں، جن میں ممتاز عالم دین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، حضرت مولانا عبداللہ میاں دام ظلہم سمیت کم وبیش دو سو اہل علم تھے۔ اس موقع پر انہوں نے جامعہ کا معائنہ کیا اور اس کی تعلیمی، تربیتی اور تعمیری ترقیات کو سراہا۔

اعظم گڑھ سے محترم جناب مولانا ضیاء الحق قاسمی خیرآبادی زید مجدہم آئے۔ احقر نے جامعہ کا تفصیلی تعارف کرایا اور دفاتر سمیت درس گاہوں اور لائبریری کا معائنہ بھی کرایا۔ مولانا خیرآبادی اعظم گڑھ کی علمی شخصیت اور بہترین قلم کے مالک ہیں، کئی اچھی کتابیں بھی انہوں نے تصنیف کی ہیں۔ جامعہ کو دیکھ کر انہوں نے دلی مسرت کا اظہار کیا اور اس کی مزید ترقیات کے لئے دعائیں کیں۔

❀……✦……❀

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



مسجد انور شاہ



کتب خانہ



دارالاقامہ کا اندرونی منظر



دارالاقامہ کا بیرونی منظر

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah

A/c No. 520101265117956

Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786